اس شمارے میں

حرفِ اوّل

قرآن مجید کی بے حرمتی کا اہم پس منظر	ڈاکٹر اسرار احمد	2

مطالعۂ قرآن حکیم

تعارفِ قرآن (۶)	ڈاکٹر اسرار احمد	3

نباتات قرآن

سِدْر ۔ سِدْرَة	سید قاسم محمود	26

قوم و آئین و حکومت آفرید

قرآن کا دستورِ اساسی	مولانا محمد تقی امینی	31

حکمت نبویؐ

فرائض والدین	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	37

اسلامی معاشرت

اسلام میں زوجین کے حقوق (۲)	الشیخ محمود احمد یاسین	41

دعوت رجوع الی القرآن

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ	انوار الحق چوہدری	57

تعارف و تبصرہ

	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	60
A Woman's Reflection on Leading Prayer	Yasmin Mogahed	64

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

3/6/05

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۴	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ۔ جون ۲۰۰۵ء	شمارہ ۶

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زر تعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کی بے حرمتی کا اہم پس منظر

امریکی فوجیوں کے ہاتھوں قرآن مجید کی جو پے بہ پے بے حرمتی کی گئی ہے' جس میں سے پانچ مواقع کا اعتراف 28 مئی کے اخبارات کے مطابق امریکہ کے دفاعی ادارے پینٹاگون نے کرلیا ہے' اس کا ایک اہم پس منظر ہے' اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اللہ کے آخری نبی اور رسول محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور قرآن حکیم کو بے وقعت ثابت کرنے اور discredit کرنے کی مہم یہودیوں کی جانب سے تو اوّل روز ہی سے شروع ہوگئی تھی اور عیسائیوں کی جانب سے بھی گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں کے پہلے سلسلہ کے وقت سے جاری ہے' لیکن اِس وقت ایک نیا محرک یہ ہے کہ عالمِ مغرب (امریکہ + یورپ) کے سرمایہ داروں کے مفادات کے محافظ' سود اور جوئے پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کو جو خطرہ کمیونزم سے لاحق تھا' یو ایس ایس آر کے خاتمے اور کمیونزم کی موت کے بعد وہی خطرہ اب قرآن کے عادلانہ معاشی' سیاسی اور سماجی نظام سے ہے۔ جس کے آخری مقابلے کی تیاری کے لیے NATO کو از سرِ نو منظم بھی کیا گیا ہے اور اس کی توسیع بھی کی گئی ہے۔ دوسری جانب یورپ کو متحد کر کے امریکہ کے پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے سرکاری ترجمان ماہنامہ Trumpet of Philedelphia کے قول کے مطابق قدیم متبرک (Holy) رومن کیتھولک ایمپائر کی تجدید کی جارہی ہے اور تیسری جانب اپنے عوام کو رسولِ عربی ﷺ اور قرآن حکیم سے متنفر کر کے اپنے دفاع کا سامان فراہم کرنے کے علاوہ اسلام کے خلاف جارحانہ اقدامات کے لیے عوامی فضا ہموار کی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے گھناؤنے جرائم کی جان بوجھ کر میڈیا پر تشہیر کی جارہی ہے تاکہ ایک جانب اپنے عوام میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی بھی بڑی سے بڑی اور گھناؤنی سے گھناؤنی جارحیت کے خلاف تائید کی فضا فراہم کرسکیں اور دوسری جانب مسلم عوام کے ردِّعمل سے یہ معلوم کرسکیں کہ ابھی ان میں دینی غیرت وحمیت کی کوئی رمق باقی ہے یا نہیں۔

امریکہ کے سب سے بلند سطح کے تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن نے مستقبل قریب میں ہونے والے اسی تصادم کے ضمن میں' جو ایک طرف مغرب اور ان کے بے خدا سیاسی اور سود پر مبنی سرمایہ داری اور بے حیا معاشرت کے علمبردار لوگوں اور دوسری طرف اسلام اور اہلِ اسلام کے مابین ہونے والا ہے' اس کی تیاری کے ضمن میں جو تجاویز امریکی حکومت اور بالخصوص وزارتِ خارجہ کو دی ہیں ان میں مسلمانوں کو چار اقسام میں منقسم قرار دیا ہے۔ یعنی ایک ''فنڈامنٹلسٹ'' یعنی وہ لوگ جو اسلام کو محدود معنی میں ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل نظامِ حیات سمجھتے ہیں۔ دوسرے ''روایت پرست'' طبقات جنہیں اسلام سے اصل دلچسپی بطور صرف مذہب ہے اور اس کے عادلانہ اور متوازن ومعتدل نظامِ اجتماعی سے دلچسپی نہیں ہے۔ تیسرے وہ ''ماڈرنسٹ'' جو اسلام کی ایسی جدید تعبیر کررہے ہیں جو اسے مغربی تہذیب کے متذکرہ بالا اجزائے ثلاثہ سے ہم آہنگ کردیں' اور چوتھے وہ ''سیکولرسٹ'' جو خود بھی پوری طرح مغرب کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ اس تقسیم کے تفصیلی بیان کے بعد مشورہ یہ دیا ہے کہ اوّل الذکر کو ہر ممکن طریقہ سے دبایا اور ختم کیا جائے اور دوسری قسم کو ان کے فروعی اختلافات میں الجھائے رکھا جائے اور تیسری اور چوتھی قسم کے لوگوں کو مدد بہم پہنچائی جائے اور بالخصوص انہیں الیکٹرانک میڈیا پر لایا جائے یعنی exposure دیا جائے۔

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی سازشوں کا ادراک کیا جائے اور ان کے مذموم عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے اُمت کے بہی خواہ افراد اور ادارے اپنا مؤثر کردار ادا کریں۔ oo

تعارفِ قرآن (۶)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

اعجازِ قرآن کے اہم اور بنیادی وجوہ

قرآن اور صاحبِ قرآنؐ کا باہمی تعلق

میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ دونوں ایک دوسرے کے شاہد ہیں۔ قرآن کے منزّل من اللہ ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے معتبر خارجی گواہی نبی اکرم ﷺ کی گواہی ہے۔ آپؐ کی شخصیت، آپؐ کا کردار، آپؐ کا چہرۂ انور اپنی اپنی جگہ پر گواہ ہیں۔ ہمارے لیے اگرچہ آپ ﷺ کی سیرت آج بھی زندہ و پائندہ ہے، کتابوں میں درج ہے، لیکن ایک مجسم انسانی شخصیت کی صورت میں آپ ﷺ ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، ہم آپ ﷺ کے روئے انور کی زیارت سے محروم ہیں۔ تاہم آپ ﷺ کا کارنامہ زندہ و تابندہ ہے اور اس کی گواہی ہر شخص دے رہا ہے۔ ہر مؤرخ نے تسلیم کیا ہے، ہر مفکر نے مانا ہے کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا جو حضور ﷺ نے برپا کیا۔ آپؐ کی یہ عظمت آج بھی مبرہن ہے، آشکارا ہے، اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ قرآن کے منزّل من اللہ اور کلامِ الٰہی ہونے پر سب سے بڑی خارجی گواہی خود نبی اکرم ﷺ ہیں، اور نبی اکرم ﷺ کے نبی اور رسول ہونے کا سب سے بڑا گواہ، سب سے بڑا شاہد اور سب سے بڑا ثبوت خود قرآن مجید ہے۔

اس اعتبار سے یہ دونوں جس طرح لازم و ملزوم ہیں اس کے لیے میں قرآن حکیم کے دو مقامات سے استشہاد کر رہا ہوں۔ سورۃ البیّنہ میں فرمایا:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝﴾

''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرک باز آنے والے نہ تھے یہاں تک کہ اُن کے پاس 'بیّنہ' آ جاتی''۔

''بیّنة'' کھلی اور روشن دلیل کو کہتے ہیں۔ ایسی بالکل روشن حقیقت جس کو کسی خارجی دلیل کی مزید حاجت نہ ہو وہ ''بیّنہ'' ہے۔ جیسے ہم اپنی گفتگو میں کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل بیّن ہے' بالکل واضح ہے' اس پر کسی قیل وقال کی حاجت ہی نہیں ہے۔ بلکہ اگر بیّنہ پر کوئی دلیل لانے کی کوشش کی جائے تو کسی درجے میں شک وشبہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے' اس پر یقین میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بیّنہ کیا ہے؟ فرمایا:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝﴾

''ایک رسول اللہ کی جانب سے جو پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے' جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں''۔

یہاں قرآن حکیم کی سورتوں کو اللہ کی کتابوں سے تعبیر کیا گیا ہے' جو قائم و دائم ہیں اور ہمیشہ ہمیش رہنے والی ہیں۔ تو گویا رسولؐ کی شخصیت اور اللہ کا یہ کلام جو اُن پر نازل ہوا' دونوں مل کر ''بیّنہ'' بنتے ہیں۔

میں نے قرآن فہمی کا یہ اصول بارہا عرض کیا ہے کہ قرآن مجید میں اہم مضامین کم سے کم دو جگہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ اس کی نظیر سورۃ الطلاق میں موجود ہے۔ اس کی آیت ۱۰ اِن الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝﴾ ''اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کر دیا ہے''۔ اور یہ ذکر کیا ہے؟ فرمایا: ﴿رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ ''ایک ایسا رسول جو تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے اللہ کی آیات جو ہر شے کو روشن کر دینے والی (اور ہر حقیقت کو مبرہن کر دینے والی) ہیں' تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے''۔ یہاں ''اٰیٰتِ

بَیِّنٰتٍ'' کے بجائے ''اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ'' آیا ہے۔ ''بیّن'' وہ چیز ہے جو خود روشن ہے اور ''مُبَیِّن'' وہ چیز ہے جو دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہے' حقائق کو اجاگر کرتی ہے۔ تو یہاں پر ذکر کی جو تاویل کی گئی کہ ﴿رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ﴾ اس سے واضح ہوا کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے اور گتھے ہوئے ہیں کہ ایک حیاتیاتی وجود (Organic Whole) بن گئے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لیے شاید بھی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے complimentary بھی ہیں۔ اس حوالے سے یہ دونوں حقیقتیں اس طرح جمع ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں کی جا سکتیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ: قرآن حکیم

اگلی بات یہ سمجھیے کہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اصل ثبوت یا بالفاظِ دیگر آپؐ کا اصل معجزہ' بلکہ واحد معجزہ قرآن حکیم ہے۔ یہ بات ذرا اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ ''معجزہ'' کا لفظ ہمارے ہاں بہت عام ہو گیا ہے اور ہر خرقِ عادت شے کو معجزہ شمار کیا جاتا ہے۔ معجزہ کے لفظی معنی عاجز کر دینے والی شے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ''عجز'' مادہ سے بہت سے الفاظ آتے ہیں' لیکن ہمارے ہاں اصطلاح کے طور پر اس لفظ کا جو اطلاق کیا جاتا ہے وہ قرآن حکیم میں مستعمل نہیں ہے' بلکہ اللہ کے رسولوں کو جو معجزات دیے گئے انہیں بھی آیات کہا گیا ہے۔ انبیاء و رُسل اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی اللہ کی نشانیاں لے کر آئے۔

اس اعتبار سے معجزہ کا لفظ جس معنی میں ہم استعمال کرتے ہیں' اس معنی میں یہ قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہے۔ البتہ وہ طبیعی قوانین (Physical Laws) جن کے مطابق یہ دنیا چل رہی ہے' اگر کسی موقع پر وہ ٹوٹ جائیں اور ان کے ٹوٹ جانے سے اللہ تعالیٰ کی کوئی مشیتِ خصوصی ظاہر ہو تو اسے خرقِ عادت کہتے ہیں۔ مثلاً قانون تو یہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب لگائی اور سمندر پھٹ گیا' یہ خرقِ عادت ہے' یعنی جو عادی قانون ہے وہ ٹوٹ گیا۔ ''خرق'' پھٹ جانے کو کہتے ہیں' جیسے سورۃ الکہف میں یہ لفظ آیا ہے ''خَرَقَهَا'' یعنی اس

اللہ کے بندے نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے' کشتی کو توڑ دیا۔ پس جب بھی کوئی طبیعی قانون ٹوٹے گا تو وہ خرقِ عادت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان خرقِ عادت واقعات کے ذریعے سے بہت سے قوانینِ قدرت کو توڑ کر اپنی خصوصی مشیت اور خصوصی قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے ہاں مسلّم ہے کہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں سے بھی جن کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا چاہے کرتا ہے' لیکن اصطلاحاً ہم انہیں کرامات کہتے ہیں۔ خرقِ عادت یا کرامات اپنی جگہ پر ایک مستقل مضمون ہے۔

معجزہ بھی خرقِ عادت ہوتا ہے' لیکن رسول کا معجزہ وہ ہوتا ہے جو دعوے کے ساتھ پیش کیا جائے اور جس میں تحدّی (challenge) بھی موجود ہو۔ یعنی جسے رسول خود اپنی رسالت کے ثبوت کے طور پر پیش کرے اور پھر اُس میں مقابلے کا چیلنج دیا جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے ان میں ''یدِ بیضا'' اور ''عصا'' کی حیثیت اصل معجزے کی تھی۔ ویسے آیات اور بھی دی گئی تھیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور بیشک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں''۔ مگر یہ اُس وقت کی بات ہے جب آپؑ ابھی مصر کے اندر تھے۔ پھر جب آپؑ مصر سے باہر نکلے تو عصا کی کرامات ظاہر ہوئیں کہ اس کی ضرب سے سمندر پھٹ گیا' اس کی ضرب سے چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ تمام چیزیں خرقِ عادت ہیں' لیکن اصل معجزے دو تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ یہ میری رسالت کا ثبوت ہے۔

جب آپؑ فرعون کے دربار میں پہنچے اور آپ نے اپنی رسالت کی دعوت پیش کی تو دلیلِ رسالت کے طور پر فرمایا کہ میں اس کے لیے سند (سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ) بھی لے کر آیا ہوں۔ فرعون نے کہا کہ لاؤ پیش کرو تو آپؑ نے یہ دو معجزے پیش کیے۔ یہ دو معجزے جو اللہ کی طرف سے آپؑ کو عطا کیے گئے' آپؑ کی رسالت کی سند تھے۔ اس میں تحدّی بھی تھی۔ لہٰذا مقابلہ بھی ہوا اور جادوگروں نے پہچان بھی لیا کہ یہ جادو نہیں ہے' معجزہ

ہے۔ معجزہ جس میدان کا ہوتا ہے اسے اُسی میدان کے افراد ہی پہچان سکتے ہیں۔ جب جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تو عام دیکھنے والوں نے تو یہی سمجھا ہوگا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اور یہ چھوٹے جادوگر ہیں' اس کا جادو زیادہ طاقتور نکلا' اس کے عصا نے بھی سانپ اور اژدھا کی شکل اختیار کی تھی اور ان جادوگروں کی رسیوں اور چھڑیوں نے بھی سانپوں کی شکل اختیار کر لی تھی' البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کا بڑا سانپ باقی تمام سانپوں کو نگل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مجمع ایمان نہیں لایا' لیکن جادوگر تو جانتے تھے کہ اُن کے فن کی رسائی کہاں تک ہے' اس لیے اُن پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ یہ جادو نہیں ہے' کچھ اور ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کا اصل احساس عرب کے شعراء' خطیبوں اور زبان دانوں کو ہوا تھا۔ عام آدمی نے بھی اگرچہ محسوس کیا کہ یہ خاص کلام ہے' بہت پُرتاثیر اور میٹھا کلام ہے' لیکن اس کا معجزہ ہونا یعنی عاجز کر دینے والا معاملہ تو اسی طرح ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں بار بار چیلنج دیا گیا کہ اس جیسا کلام پیش کرو۔ اس اعتبار سے جان لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ قرآن ہے۔

آپ ﷺ کے خرقِ عادت معجزات تو بے شمار ہیں۔ شق قمر قرآن حکیم سے ثابت ہے' لیکن یہ آپ ﷺ نے دعوے کے ساتھ نہیں دکھایا' نہ ہی اِس پر کسی کو چیلنج کیا' بلکہ آپؐ سے جو مطالبے کیے گئے تھے کہ آپؐ یہ یہ کر کے دکھائیے' اُن میں سے کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور نہیں ہوئی۔ اللہ چاہتا تو اُن کا مطالبہ پورا کرا دیتا' لیکن اُن مطالبوں کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ البتہ خرقِ عادت واقعات بے شمار ہیں۔ جانوروں کا بھی آپؐ کی بات کو سمجھنا اور آپؐ سے عقیدت کا اظہار کرنا بہت مشہور ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ۶۳ اونٹوں کو حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے نحر کیا تھا۔ قطار میں سو اونٹ کھڑے کیے گئے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک اونٹ جب گرتا تھا تو اگلا خود آگے آ جاتا تھا۔ اسی طرح ''ستونِ حنانہ'' کا معاملہ ہوا۔ حضور ﷺ مسجد نبویؐ میں کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے' مگر جب اِس مقصد کے لیے منبر

بنا دیا گیا اور آپؐ پہلی مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے تو اُس سوکھے ہوئے تنے میں سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر رو رہا ہو' اسی لیے تو اسے ''حنانہ'' کہتے ہیں۔ ایسے ہی کئی مواقع پر تھوڑا کھانا بہت سے لوگوں کو کفایت کر گیا۔

اِن خرقِ عادت واقعات کو بعض عقلیت پسند (Rationalists) اور سائنسی مزاج کے حامل لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ پچھلے زمانے میں بھی لوگ ان کا انکار کرتے رہے ہیں۔ اس پر مولانا روم نے خوب فرمایا ہے کہ:

فلسفی گو منکرِ حنانہ است
از حواسِ انبیا بیگانہ است!

بہرحال خرقِ عادت واقعات حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بہت ہیں۔ (تفصیل دیکھنا ہو تو ''سیرت النبیؐ'' از مولانا شبلی کی ایک ضخیم جلد صرف حضور ﷺ کے خرقِ عادت واقعات پر مشتمل ہے) لیکن جیسا کہ اوپر گزرا' معجزہ دعوے کے ساتھ اور رسالت کے ثبوت کے طور پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اس کی دوسری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آئی ہے کہ آپؑ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میں مُردوں کو زندہ کر کے دکھا رہا ہوں۔ میں گارے سے پرندے کی صورت بناتا ہوں اور اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا ہے۔ خرقِ عادت کا معاملہ تو غیر نبی کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے بھی اس طرح کے حالات پیدا کر سکتا ہے۔ اُن کا اللہ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس کے اظہار کے لیے کرامات کا ظہور ہو سکتا ہے۔ یہ چیزیں بعید نہیں ہیں' لیکن انبیاء کی کرامات کو عرفِ عام میں ''معجزات'' کہا جاتا ہے اور غیر انبیاء اور اولیاء کے لیے ''کرامات'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن معجزہ وہ ہے جسے اللہ کا رسول دعوے کے ساتھ پیش کرے اور چیلنج کرے۔

یہ بات کہ قرآن مجید ہی حضور ﷺ کا اصل معجزہ ہے' دو اعتبارات سے قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ ایک مثبت انداز ہے' جیسے سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات میں فرمایا:

﴿یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝﴾ ''یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن حکیم کی (اور قسم کا اصل فائدہ شہادت ہوتا ہے' یعنی گواہ ہے یہ قرآن حکیم) کہ یقیناً (اے محمد ﷺ) آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ خطاب بظاہر حضور ﷺ سے ہے' حالانکہ حضورؐ کو یہ بتانا مقصود نہیں ہے' بلکہ مخاطبین یعنی اہل عرب اور اہل مکہ کو سنایا جا رہا ہے کہ یہ قرآن شاہد ہے' یہ ثبوت ہے' یہ دلیلِ قطعی ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' یہ قرآن پکار پکار کر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم کے چار مقامات اور ہیں جن میں یہی آیت ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ مقدر ہے' اگرچہ بیان نہیں ہوئی۔ سورۂ صٓ کا آغاز ہوتا ہے: ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝﴾ ''ص' قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت (یاددہانی) والا ہے۔ لیکن وہ لوگ کہ جو منکر ہیں' گھمنڈ اور ضد میں پڑے ہوئے ہیں''۔ یہاں ''صٓ'' ایک حرف ہے' لیکن اس سے آیت نہیں بنی' جبکہ ''یٰسٓ'' ایک آیت ہے۔ سورۂ صٓ کی پہلی آیت قسم پر مشتمل ہے۔ ''بَلْ'' سے جو دوسری آیت شروع ہو رہی ہے یہ ثابت کر رہی ہے کہ مُقسَم علیہ (جس چیز پر قسم کھائی جا رہی ہے) یہاں محذوف ہے اور وہ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) ہے۔ گویا کہ معناً اسے یوں پڑھا جائے گا: ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا.....﴾۔ اسی طرح سورۂ قٓ میں ہے: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ.....﴾۔

ایسے ہی دو سورتیں الزخرف اور الدخان ''حٰمٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔ ان کی پہلی دو آیات بالکل ایک جیسی ہیں: ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝﴾۔ پہلی آیت حروفِ مقطعات پر اور دوسری آیت قسم پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد مُقسَم علیہ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) محذوف ماننا پڑے گا۔ گویا: ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ اور: ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾ ۔ یہ ایک اسلوب ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کی قسم کھائی گئی' یعنی قرآن کی گواہی اور شہادت پیش کی گئی۔ یہ اِس بات کو کہنے کا ایک اسلوب ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت کا اصل ثبوت یا آپؐ کا اصل معجزہ قرآن ہے۔

قرآن کا دعویٰ اور چیلنج

پہلے گزر چکا ہے کہ معجزے میں تحدّی (چیلنج) بھی ضروری ہے اور دعویٰ بھی۔ لہٰذا وہ مقامات گن لیجیے جن میں چیلنج ہے کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ محمد ﷺ کا کلام ہے' انسانی کلام ہے' محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے' یہ اُن کی اپنی اختراع ہے تو تم مقابلہ کرو اور ایسا ہی کلام پیش کرو۔ قرآن مجید میں ایسے پانچ مقامات ہیں۔ سورۃ الطور میں فرمایا:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۴﴾﴾

''کیا اُن کا یہ کہنا ہے کہ یہ محمدؐ نے خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ماننے کو تیار نہیں۔ پھر چاہیے کہ وہ اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں اگر وہ سچے ہیں''۔

قَالَ' یَقُوۡلُ کا معنی ہے کہنا۔ جبکہ تَقَوَّلَ' یَتَقَوَّلُ کا مفہوم ہے تکلف کر کے کہنا' یعنی محنت کر کے کلام موزوں کرنا (جس کے لیے انگریزی میں composition کا لفظ ہے۔) تو کیا اُن کا خیال ہے کہ یہ محمد ﷺ نے خود کہہ لیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ماننے کو تیار نہیں' لہٰذا اس طرح کی کٹ حجتیاں کر رہے ہیں۔ اگر یہ سچے ہیں تو ایسا ہی کلام پیش کریں۔ آخر یہ بھی انسان ہیں' اِن میں بڑے بڑے شعراء اور بڑے قادر الکلام خطیب موجود ہیں۔ ان میں وہ شعراء بھی ہیں جن کو دوسرے شعراء سجدہ کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب مل کر ایسا کلام پیش کریں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

﴿قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾﴾

''(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمام جن و انس جمع ہو جائیں (اور اپنی پوری قوت و صلاحیت اور اپنی تمام ذہانت و فطانت' قادر الکلامی کو جمع کر کے کوشش کریں) کہ اس قرآن جیسی کتاب پیش کر دیں تو وہ ہرگز ایسی کتاب نہیں لا سکیں گے چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں''۔

یہ تو بحیثیت مجموعی پورے قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے سے مخلوق کے عاجز ہونے کا دعویٰ ہے جو قرآن مجید نے دو مقامات پر کیا ہے۔ سورۂ یونس میں اس سے ذرا نیچے اتر کر' جسے بر سبیل تنزل کہا جاتا ہے' فرمایا کہ پورے قرآن کی نظیر نہیں لا سکتے تو ایسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لے آؤ! ارشاد ہوا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (ھود)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن خود گھڑ کر لے آیا ہے؟ (اے نبیؐ! ان سے) کہیے پس تم بھی دس سورتیں بنا کر لے آؤ ایسی ہی گھڑی ہوئی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو''۔

اس کے بعد دس سے نیچے اتر کر ایک سورۃ کا چیلنج بھی دیا گیا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (یونس)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن خود بنا کر لے آیا ہے؟ (اے نبیؐ! ان سے) کہیے پس تم بھی ایک سورت بنا کر لے آؤ ایسی ہی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو''۔

یہ چاروں مقامات تو مکی سورتوں میں ہیں۔ پہلی مدنی سورۃ ''البقرۃ'' ہے۔ اس میں بڑے اہتمام کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾

''اگر تم لوگوں کو شک ہے اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے) تو اس جیسی ایک سورۃ تم بھی (موزوں کر کے) لے آؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو (ان سب کو جمع کر لو) اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے یہ منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

یہ اصل میں وہی انداز ہے جس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ واضح یہ کیا جا رہا ہے کہ حقیقت میں تم سچے نہیں ہو تمہارا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے لیکن چونکہ تم زبان سے تنقید کر رہے ہو اور جھٹلا رہے ہو تو اگر واقعتاً تمہیں شک ہے تو اِس شک کو رفع کرنے کے لیے ہمارا یہ چیلنج موجود ہے۔

یہ ہیں قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دو اسلوب۔ ایک مثبت انداز ہے کہ قرآن گواہ ہے اس پر کہ اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور دوسرا انداز چیلنج کا ہے کہ اگر تمہیں اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسا کلام تم بھی بنا کر لے آؤ۔

قرآن کس کس اعتبار سے معجزہ ہے؟

اب اس ضمن میں تیسری ذیلی بحث یہ ہوگی کہ قرآن مجید کس کس اعتبار سے معجزہ ہے۔ یہ مضمون اتنا وسیع اور اتنا متنوع الاطراف ہے کہ ''وجوہِ اعجاز القرآن'' پر پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ظاہر بات ہے اس وقت اِس کا احاطہ مقصود نہیں ہے صرف موٹی موٹی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اصل شے تو اِس کی تاثیر قلب ہے کہ یہ دل کو لگنے والی بات ہے۔ اس کا اصل اعجاز یہی ہے کہ یہ دل کو جا کر لگتی ہے بشرطیکہ پڑھنے والے کے اندر تعصب ضد اور ہٹ دھرمی نہ ہو اور اسے زبان سے اتنی واقفیت ہو جائے کہ براہِ راست قرآن اس کے دل پر اتر سکے۔ یہ قرآن کے اعجاز کا اصل پہلو ہے۔ لیکن اضافی طور پر جان لیجئے کہ جس وقت قرآن نازل ہوا اُس وقت کے اعتبار سے اس کے معجزہ ہونے کا نمایاں اور اہم تر

پہلو اِس کی ادبیت' اِس کی فصاحت و بلاغت' اس میں الفاظ کا انتخاب' بندشیں اور ترکیبیں' اس کی مٹھاس اور اس کا صوتی آہنگ ہے۔ یہ درحقیقت نزول کے وقت قرآن کے معجزہ ہونے کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ہر رسول کو اُسی طرز کا معجزہ دیا گیا جن چیزوں کا اُس کے زمانے میں سب سے زیادہ چرچا اور شغف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو عام تھا لہٰذا مقابلے کے لیے آپؑ کو وہ چیزیں دی گئیں جن سے آپؑ جادوگروں کو شکست دے سکیں۔ حضور ﷺ نے جس قوم میں اپنی دعوت کا آغاز کیا اُس قوم کا اصل ذوق قدرتِ کلام تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اصل میں بولنے والے تو ہم ہی ہیں' باقی دنیا تو گونگی ہے۔ ان کی زبان دانی کا یہ عالَم تھا کہ وہ اپنی پسند کی اشیاء کے نام رکھنا شروع کرتے تو ہزاروں نام رکھ دیتے۔ چنانچہ عربی میں شعر اور تلوار کے لیے پانچ پانچ ہزار الفاظ ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ کے لیے لاتعداد الفاظ ہیں۔ یہ اُن کی قادرالکلامی ہے کہ کسی شے کو اُس کی ہر ادا کے اعتبار سے نیا نام دے دیتے۔ گھوڑا اُن کی بڑی محبوب شے ہے' لہٰذا اُس کے نامعلوم کتنے نام ہیں۔ شعروشاعری میں ان کے ذوق وشوق کا یہ عالَم تھا کہ اُن کے ہاں سالانہ مقابلے ہوتے تھے تاکہ اس سال کے سب سے بڑے شاعر کا تعین کیا جائے۔ شعراء اپنے اپنے قصیدے لکھ کر لاتے تھے' مقابلہ ہوتا تھا۔ پھر جب فیصلہ ہوتا تھا کہ کس کا قصیدہ سب پر بازی لے گیا ہے تو باقی تمام شعراء اس کی عظمت کے اعتراف کے طور پر اُس کو سجدہ کرتے تھے۔ پھر وہ قصیدہ خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا کہ یہ ہے اس سال کا قصیدہ۔ چنانچہ اس طرح کے سات قصیدے خانہ کعبہ میں آویزاں تھے جنہیں ''سَبْعَۃ مُعَلَّقَۃ'' کہا جاتا تھا۔ سبعۃ معلقۃ کے آخری شاعر حضرت لبید رضی اللہ عنہ تھے جو ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد انہوں نے شعر کہنے چھوڑ دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ اے لبید! اب آپ شعر کیوں نہیں کہتے؟ تو جواب میں انہوں نے بڑا پیارا جملہ کہا کہ ''اَبَعْدَ الْقُرْآنِ؟'' یعنی کیا قرآن کے نزول کے بعد بھی؟ اب کسی کے لیے کچھ کہنے کا موقع باقی ہے؟ قرآن کے آجانے

کے بعد کوئی اپنی فصاحت و بلاغت کے اظہار کی کوشش کر سکتا ہے؟ گویا زبانیں بند ہو گئیں' اُن پر تالے پڑ گئے' ملک الشعراء نے شعر کہنے چھوڑ دیے۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی ہے وہ آج بھی قرآن کے اِس اعجاز کو محسوس کر سکتے ہیں۔ غیر عرب لوگوں کے لیے اس کو محسوس کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنی محنت سے عربی ادب کے اندر مولانا علی میاں کی سی مہارت حاصل کر لے تو وہ واقعتاً اس کو محسوس کر سکے گا اور اس کی تحسین کر سکے گا کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا کیا مقام ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے' البتہ اس کا صوتی آہنگ ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے اندر ایک معجزانہ تأثیر ہے جو قلب کے اندر عجیب کیفیات پیدا کر دیتی ہے۔ قرآن کا صوتی آہنگ ہماری فطرت کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ قرآن کی یہ معجزانہ تأثیر آج بھی ویسی ہے جیسی نزولِ قرآن کے وقت تھی۔ اس میں مرورِ ایام سے کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت' اس کی ادبیت' عذوبت اور اس کے صوتی آہنگ کی معجزانہ تأثیر پر مستزاد عہد حاضر میں قرآن کے اعجاز کے ضمن میں جو چیزیں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں اُن میں سے ایک چیز تو وہ ہے جس کا قرآن مجید نے بڑے صریح الفاظ میں ذکر کیا ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ﴾
(حٰمٓ السجدۃ:۵۳)

''ہم عنقریب انہیں اپنی آیات دکھائیں گے آفاق میں بھی اور اُن کی اپنی جانوں میں بھی یہاں تک کہ یہ بات اُن پر واضح ہو جائے گی کہ یہ قرآن حق ہے۔''

اِس آیت مبارکہ میں علمِ انسانی کے دائرہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید اکتشافات و انکشافات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیاتِ آفاقی ہیں۔ فرانسیسی سرجن ڈاکٹر مورس بکائی کا پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس نے کہا کہ میرا دل اس پر مطمئن ہو گیا ہے کہ اس قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے

سائنس نے غلط ثابت کیا ہو۔ البتہ اُس دَور میں جبکہ انسان کا اپنا ذہنی ظرف وسیع نہیں ہوا تھا' علومِ انسانی اور معلوماتِ انسانی کا دائرہ محدود تھا' اس وقت سائنسی اشارات کی حامل آیاتِ قرآنیہ کا کیا مفہوم سمجھا گیا' وہ بات اور ہے۔ کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے اصل اہمیت تو قرآن کے الفاظ کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر مورس بکائی نے قرآن کا تورات کے ساتھ تقابل کیا ہے! تورات سے مراد Old Testament ہے۔ اناجیلِ اربعہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں' اُن میں تو کئی چیزیں ایسی ہیں جو غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اناجیل میں زیادہ تر اخلاقی مواعظ ہیں یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوانح حیات ہیں۔ تورات میں یہ مباحث موجود ہیں کہ کائنات کیسے پیدا ہوئی' اللہ نے کیسے اسے بنایا۔ مختلف سائنسی phenomena اس میں موجود ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ فزکس میں آج سب سے زیادہ اہم موضوع جس پر تحقیق ہو رہی ہے' یہی ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی' ابتدائی حالات کیا تھے اور بعد ازاں ان میں کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ ڈاکٹر مورس بکائی نے اس اعتبار سے محسوس کیا کہ تورات میں تو ایسی چیزیں ہیں جو غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اس لیے کہ اصل تورات تو ساتویں صدی قبل مسیح ہی میں گم ہو گئی تھی۔ بخت نصر کے حملے میں یروشلم کو تہس نہس کر دیا گیا اور ہیکلِ سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی' اس کی بنیادیں تک کھود ڈالی گئیں اور یروشلم کے بسنے والے چھ لاکھ کی تعداد میں قتل کر دیے گئے جبکہ بخت نصر چھ لاکھ کو قیدی بنا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے اپنے ہمراہ بابل لے گیا۔ چنانچہ یروشلم میں ایک متنفس بھی باقی نہیں رہا۔ آپ اندازہ کریں' اگر یہ اعداد و شمار صحیح ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی سات سو سال قبل یعنی آج سے ۲۶۰۰ برس قبل یروشلم بارہ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا اور اس شہر پر کیا قیامت گزری ہو گی! اس کے بعد سے وہ اصل تورات دنیا میں نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جو احکامِ عشرہ (Ten Commandments) دیے گئے تھے وہ پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے تھے۔ یہ تختیاں بھی لاپتہ ہو گئیں اور باقی تورات کا وجود بھی باقی نہ رہا۔ قرآن حکیم میں ''صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى'' کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے

صحیفے پانچ ہیں جو عہد نامۂ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابیں ہیں۔ سانحۂ یروشلم کے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد لوگوں نے تورات کو اپنی یادداشتوں سے مرتب کیا۔ چنانچہ اُس وقت کی نوعِ انسانی کی ذہنی اور علمی سطح جو تھی وہ اِس پر لازمی طور پر اثر انداز ہوئی۔

ڈاکٹر مورس بکائی کے علاوہ میں ڈاکٹر کیتھ این مور کا حوالہ بھی دے چکا ہوں کہ وہ قرآن حکیم میں علمِ جنین سے متعلق اشارات پا کر کس قدر حیران ہوا کہ یہ معلومات چودہ سو برس پہلے کہاں سے آ گئیں! فزیکل سائنسز کے مختلف فیلڈ ہیں' ان میں جیسے جیسے علمِ انسانی ترقی کرتا جائے گا یہ بات مزید مبرہن ہوتی چلی جائے گی کہ یہ کلام حق ہے اور یہ کلام مظاہرِ طبیعی کے اعتبار سے بھی حق ثابت ہو رہا ہے۔ یہ ایک واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

عہد حاضر کے اعتبار سے قرآن حکیم کے اعجاز کا دوسرا اہم تر پہلو اِس کی ہدایتِ عملی ہے۔ اس میں انفرادی زندگی سے متعلق بھی مکمل ہدایات ہیں اور انسانی اخلاق و کردار اور انسان کے رویّہ کے بارے میں بھی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ انفرادی زندگی سے متعلق یہ تمام چیزیں سابقہ انبیاء کی تعلیمات میں بھی موجود ہیں۔ یہ اخلاقی اقدار ویسے بھی فطرتِ انسانی کے اندر موجود ہیں۔ قرآن کا اپنا کہنا ہے: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝﴾ (الشمس) یعنی نفسِ انسانی کو الہامی طور پر یہ معلوم ہے کہ فجور کیا ہے اور تقویٰ کیا ہے۔ پرہیزگاری کسے کہتے ہیں اور بدکاری کسے کہتے ہیں۔ البتہ قرآن حکیم کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں عدل وقسط پر مبنی اجتماعی نظام دیا گیا ہے جس میں انتہائی توازن رکھا گیا ہے۔

انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ نوعِ انسانی کو تین بڑے بڑے عقدہ ہائے لاینحل (dilemmas) درپیش ہیں جو توازن کے متقاضی ہیں اور ان میں عدم توازن سے انسانی تمدن فساد اور بگاڑ کا شکار ہے۔ ان میں پہلا عقدۂ لاینحل یہ ہے کہ مَرد اور عورت کے حقوق وفرائض میں کیا توازن ہے؟ دوسرا یہ کہ سرمایہ اور محنت کے مابین کیا توازن

ہے؟ پھر تیسرا یہ کہ فرد اور ریاست یا فرد اور اجتماعیت کے مابین حقوق و فرائض کے اعتبار سے کیا توازن ہے؟ اِن تینوں معاملات میں توازن قائم کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اگر فرد کو ذرا زیادہ آزادی دے دی جاتی ہے تو انارکی (chaos) پھیلتی ہے۔ آزادی کے نام پر دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے! دوسری طرف اگر فرد کی آزادی پر قدغنیں اور بندشیں لگا دی جائیں تو وہ ردِّعمل ہوتا ہے جو کمیونزم کے خلاف ہوا۔ فطرتِ انسانی اور طبیعتِ انسانی نے یہ قدغنیں قبول نہیں کیں اور اِن کے خلاف بغاوت کی۔

عورت اور مرد کے حقوق کے مابین توازن کا معاملہ بھی انتہائی حساس ہے۔ اس میزان کا پلڑا اگر ذرا سا مرد کی جانب جھکا دیا جائے تو عورت کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' وہ بالکل بھیڑ بکری کی طرح مرد کی مِلک بن کر رہ جاتی ہے' اس کا کوئی تشخص نہیں رہتا اور وہ مرد کی جوتی کی نوک قرار پاتی ہے۔ لیکن اگر دوسرا پلڑا ذرا جھکا دیا جائے تو عورت کو جو حیثیت مل جاتی ہے وہ قوموں کی قسمتوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اس سے خاندانی ادارہ ختم ہو جاتا ہے اور گھر کے اندر کا چین اور سکون برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال سکینڈے نیوین ممالک ہیں۔ معاشی اور اقتصادی اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ روئے ارضی پر اگر جنت دیکھنی ہو تو اِن ممالک کو دیکھ لیا جائے۔ وہاں کے شہریوں کی بنیادی ضروریات کس خوبصورتی کے ساتھ پوری ہو رہی ہیں! وہاں علاج اور تعلیم کی سہولیات سب کے لیے یکساں ہیں اور اس ضمن میں خیرات (charity) پر پلنے والوں اور ٹیکس ادا کرنے والوں کے مابین کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ لیکن ان ممالک میں مرد اور عورت کے حقوق کے مابین توازن برقرار نہیں رکھا گیا جس کے نتیجے میں خاندان کا ادارہ مضمحل ہوا' بلکہ ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو گیا اور گھر کا سکون ناپید ہو گیا۔ چنانچہ آج خودکشی کی سب سے زیادہ شرح سویڈن میں ہے۔ اس لیے کہ گھر کا سکون ختم ہو جانے کے باعث اعصاب پر شدید تناؤ ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں خاندان کا ادارہ برقرار ہے۔ اگرچہ یہاں بھی نام

نہاد طور پر بہت اونچی سطح کے لوگوں کے ہاں تو وہ صورتیں پیدا ہوگئی ہیں' تاہم مجموعی طور پر ہمارے ہاں خاندان کا ادارہ ابھی کافی حد تک محفوظ ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں لفظ ''سکون'' استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الروم کی آیت ۲۱ ملاحظہ ہو:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے' تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

اگر انسان کو یہ سکون نہیں ملتا تو اگرچہ اس کی کھانے پینے کی ضروریات' جنسی تسکین اور دوسری ضروریاتِ زندگی خوب پوری ہو رہی ہوں لیکن زندگی انسان کے لیے جہنم بن جائے گی۔

مذکورہ بالا تین عقدہ ہائے لاینحل میں سے معاشیات کا مسئلہ سب سے مشکل ہے۔ سرمائے کو زیادہ کھل کھیلنے کا موقع دیں گے تو صورت حال ایک انتہا کو پہنچ جائے گی اور مزدور کا بدترین استحصال ہوگا' جبکہ مزدور کو زیادہ حقوق دے دیں گے تو سرمائے کو کوئی تحفظ حاصل نہیں رہے گا۔ اگر نیشنلائزیشن ہو جائے تو لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ ہی نہیں رہتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں نیشنلائزیشن کے بعد کیا ہوا! روس کی اقتصادی موت کی اہم وجہ یہی نیشنلائزیشن تھی۔ تو اب سرمائے اور محنت میں توازن کے لیے کیا شکل اختیار کی جائے؟ یہ ہے درحقیقت عہد حاضر میں قرآن کی ہدایت کا اہم ترین حصہ! آج اس پر بھرپور توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ فزیکل سائنسز سے قرآن کی حقانیت کے ثبوت خود بخود ملتے چلے جائیں گے۔ جیسے جیسے سائنس ترقی کر رہی ہے نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں اور ان سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قرآن حق ہے۔ لیکن آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن حکیم نے عمرانیاتِ انسانیہ اور اجتماعیات مثلاً اقتصادیات' سیاسیات اور سماجیات کے ضمن میں جو عدلِ اجتماعی دیا ہے

اس کو مبرہن کیا جائے۔ علامہ اقبال کے یہ دو شعر اسی حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اُو را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است!

یعنی دنیا میں جو سوشل انقلاب آیا ہے اس کی ساری چمک دمک اور روشنی یا تو نورِ مصطفیٰ ﷺ ہی سے مستعار اور ماخوذ ہے یا پھر انسان چار و ناچار حضور ﷺ کے لائے ہوئے نظام ہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ دائیں بائیں کی ٹھوکریں اور افراط و تفریط کے دھکے کھا کر لڑکھڑاتا ہوا چار و ناچار اسی منزل کی طرف جا رہا ہے جہاں محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم نے اسے پہنچایا تھا۔

عہدِ حاضر میں اعجازِ قرآن کا مظہر: علامہ اقبال

وجوہِ اعجازِ قرآن کے ضمن میں ایک اہم بات عرض کر رہا ہوں کہ میرے نزدیک عہدِ حاضر میں قرآن کے اعجاز کا سب سے بڑا مظہر علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن حکیم زمان و مکان کے ایک خاص تناظر میں آج سے چودہ سو برس قبل نازل ہوا تھا۔ اس کے اوّلین مخاطب عرب کے اجڈ' دیہاتی' بدو اور ناخواندہ لوگ تھے جنہیں قرآن نے ''قَوْمًا لُّدًّا'' قرار دیا ہے۔ لیکن اِس قرآن نے ان کے اندر بجلی دوڑا دی۔ اُن کے ذہن' قلب اور روح کو متأثر کیا' پھر اُن میں جذبہ پیدا کیا' ان کے باطن کو منور کیا۔ ان کی شخصیتوں میں انقلاب آیا اور افراد بدل گئے۔ پھر انہوں نے ایسی قوت کی حیثیت اختیار کی کہ جس نے دنیا کو ایک نیا تمدن' نئی تہذیب اور نئے قوانین دے کر ایک نئے دَور کا آغاز کیا—— لیکن بیسویں صدی میں علامہ اقبال جیسا ایک شخص جس نے وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر علم حاصل کیا' جس نے مشرق و مغرب کے فلسفے پڑھ لیے' جو قدیم اور جدید دونوں کا جامع تھا' جو جرمنی اور انگلستان میں جا کر فلسفہ

پڑھتا رہا' اُس کو اِس قرآن نے اس طرح possess کیا اور اس پر اس طرح اپنی چھاپ قائم کی کہ اس کے ذہن کو سکون ملا تو صرف قرآن حکیم سے اور اس کی تشنگیٔ علم کو آسودگی حاصل ہو سکی تو صرف کتاب اللہ سے۔ گویا بقول خود اُن کے ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں!

میرا ایک کتابچہ ''علامہ اقبال اور ہم'' ایک عرصے سے شائع ہوتا ہے۔ یہ میری ایک تقریر ہے جو میں نے ایچی سن کالج میں ۱۹۷۳ء میں کی تھی۔ اس میں مَیں نے علامہ اقبال کے لیے چند اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ''اقبال اور قرآن'' کے عنوان سے میں نے علامہ اقبال کو (۱) عظمتِ قرآن کا نشان' (۲) واقفِ مرتبہ و مقامِ قرآن' اور (۳) داعی الی القرآن کے خطابات دیے ہیں۔ میں علامہ اقبال کو اس دَور کا سب سے بڑا ترجمان القرآن سمجھتا ہوں۔ قرآن مجید کے علوم و معارف کی جو تعبیر علامہ اقبال نے کی ہے اس دَور میں کوئی دوسری شخصیت اس کے آس پاس بھی نہیں پہنچی۔ ان سے لوگوں نے چیزیں مستعار لی ہیں اور پھر اُن کو بڑے پیمانے پر پھیلایا ہے۔ ان حضرات کی یہ خدمت اپنی جگہ قابل قدر ہے' لیکن فکری اعتبار سے وہ تمام چیزیں علامہ اقبال کے نام ہیں۔

مذکورہ بالا کتابچے میں مَیں نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی گواہی بھی شائع کی ہے۔ کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا آنکھوں کے آپریشن کے لیے خانقاہ ڈوگراں سے لاہور آئے ہوئے تھے اور آپریشن میں کسی وجہ سے تأخیر ہو رہی تھی۔ گھر سے باہر ہونے کی وجہ سے اُن کا لکھنے پڑھنے کا سلسلہ معطل ہو گیا۔ تاہم فرصت کے اُن ایام میں مولانا نے علامہ اقبال کا پورا اردو اور فارسی کلام دوبارہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے دو تأثر بیان کیے۔ مولانا کا پہلا تأثر تو یہ تھا کہ ''قرآن حکیم کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے کچھ مان سا تھا کہ میں نے ان کی تعبیر جس اسلوب سے کی ہے شاید کوئی اور نہ کر سکے۔ لیکن علامہ اقبال کے کلام کے

مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ ان کی تعبیر مجھ سے بہت پہلے اور مجھ سے بہت بہتر کر چکے ہیں!'' مولانا اصلاحی صاحب کا دوسرا تاثر یہ تھا کہ ''اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد میرا دل بیٹھ سا گیا ہے کہ اگر ایسا حُدی خواں اِس اُمت میں پیدا ہوا' لیکن یہ اُمت ٹس سے مس نہ ہوئی تو ہماشما کے کرنے سے کیا ہوگا!'' جو قوم علامہ اقبال کے کلام سے حرکت میں نہیں آئی اسے کون حرکت میں لا سکے گا؟

واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اس دَور کا سب سے بڑا ترجمان القرآن اور سب سے بڑا داعی الی القرآن علامہ اقبال ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی عظمت کا جس گیرائی اور گہرائی کے ساتھ احساس علامہ اقبال پر ہوا ہے میری معلومات کی حد تک (اگرچہ میری معلومات محدود ہیں) اس درجے قرآن کی عظمت کا احساس کسی اور انسان پر نہیں ہوا۔ جب وہ قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اُن کی دید اور اُن کا تجربہ ہے' کیونکہ جس انداز سے وہ بات بیان کرتے ہیں وہ تکلف اور آورد سے ماورا انداز ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ علامہ اقبال قرآن مجید کے بارے میں کیا کہتے ہیں: ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ اُو را ریب نے' تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویا است ایں

چو بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود!

''وہ زندہ کتاب' قرآن حکیم' جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی! زندگی کے وجود میں آنے کا خزینہ' جس کی حیات افروز اور قوت بخش تاثیر سے بے ثبات بھی ثبات و دوام حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے الفاظ میں نہ کسی شک وشبہ کا شائبہ ہے نہ ردّوبدل کی گنجائش۔ اور اس کی آیات کسی تاویل کی محتاج نہیں۔

(اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے!

یہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ (کا کلام ہے لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی' اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی!

(یہ کتابِ حکیم) جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اُس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے' اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لیے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آ جاتی ہے''۔

قرآن حکیم کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:۔

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست!

''اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے میں بے شمار زمانے موجود ہیں''۔ (گویا ہر زمانے میں یہ قرآن ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ دنیا میں آیا ہے۔)

اب آپ علامہ اقبال کے تین اشعار ملاحظہ کیجیے جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مناجات کرتے ہوئے کہے۔ اِن سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ انہیں کتنا یقین تھا کہ میرے فکر کا منبع قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ ''مثنوی اسرار و رموز'' کے آخر میں ''عرضِ حالِ مصنف بحضور رحمۃ للعالمینؐ'' کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا کہ:۔

گر دِلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را زخارم پاک کن!
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا!
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

''اگر میرے دل کی مثال اس آئینے کی سی ہے جس میں کوئی جوہر ہی نہ ہو' اور اگر میرے کلام میں قرآن کے سوا کسی اور شے کی ترجمانی ہے' تو (اے نبی ﷺ!) آپ میرے ناموسِ فکر کا پردہ خود چاک فرما دیں اور اس چمن کو مجھ ایسے خار سے پاک کر دیں۔ (مزید برآں) حشر کے دن مجھے خوار و رسوا کر دیں اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) مجھے اپنی قدم بوسی کی سعادت سے محروم فرما دیں!''

میں نے اپنی امکانی حد تک قرآن حکیم کا پوری باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے اور اس پر غور و فکر اور سوچ بچار کیا ہے۔ میں نے علامہ اقبال کا اردو اور فارسی کلام بھی پڑھا ہے۔ اس کے بعد میں نے یہ بات ریکارڈ کرانی ضروری سمجھی ہے کہ علامہ اقبال کے بارے میں مَیں نے جو بات ۱۹۷۳ء میں کہی تھی آج بھی میں اسی بات پر قائم ہوں کہ ''اس دَور میں عظمتِ قرآن اور مرتبہ و مقامِ قرآن کا انکشاف جس شدت کے ساتھ اور جس درجہ میں علامہ اقبال پر ہوا شاید ہی کسی اور پر ہوا ہو''۔ اور یہ کہ میرے نزدیک اس دَور کا سب سے بڑا ترجمان القرآن اور داعی الی القرآن اقبال ہے۔ علامہ اقبال مسلمانوں کی قرآن سے دُوری پر مرثیہ کہتے ہیں:۔

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مؤمن کا دیں!

مسلمانوں کو قرآن کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری!

''اس قرآن کے ساتھ تمہارا اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ تم کسی شخص کو عالمِ نزع میں اِس کی سورۂ یٰسٓ سنا دو' تاکہ اس کی جان آسانی سے نکل جائے۔''

ہمارے ہاں صوفی اور واعظ حضرات نے قرآن کو چھوڑ کر اپنی مجالس اور اپنے وعظ کے لیے کچھ اور چیزوں کو منتخب کر لیا ہے' تو اس پر اقبال نے کس قدر دردناک مرثیے کہے ہیں اور کس قدر صحیح نقشہ کھینچا ہے:۔

صوفیٔ پشینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش
واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو!

''ادنیٰ لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے۔ اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں!
(دوسری طرف) واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھ دیتا ہے اور اس کے الفاظ بھی پُرشکوہ اور بلند و بالا ہیں' لیکن معنی کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے! اس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) یا تو خطیب بغدادی سے ماخوذ ہوتی ہے یا امام دیلمی سے' اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف' شاذ اور مرسل حدیثوں سے رہ گیا ہے!''

علامہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال و اضمحلال کا اور اُمت مسلمہ کے کبت و افلاس اور ذلت وخواری کا اصل سبب قرآن سے دُوری اور کتابِ الٰہی سے بُعد ہی ہے۔ چنانچہ ''جوابِ شکوہ'' کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

بعد میں اسی مضمون کا اعادہ علامہ مرحوم نے فارسی میں نہایت پُرشکوہ الفاظ اور حد درجہ دردانگیز اور حسرت آمیز پیرائے میں یوں کیا:۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ!

''(اے مسلمان!) تیری ذلت اور رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دُور اور بے تعلق ہو گیا ہے' لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے! اے وہ قوم کہ جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے (اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے)! اٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتابِ زندہ موجود ہے (جس کے ذریعے تو دوبارہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے)۔''

میں اپنا یہ تأثر ایک بار پھر دہرا رہا ہوں کہ عصرِ حاضر میں قرآن کی عظمت جس درجے اُن پر منکشف تھی' میں اپنی محدود معلومات کی حد تک کہنے کو تیار ہوں کہ وہ مجھے کہیں اور نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک علامہ اقبال دورِ حاضر میں اعجازِ قرآن کا ایک عظیم مظہر ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سِدْر ـ سِدْرَة

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

قرآنی نام: سِدْر۔ سِدْرَہ
انگریزی: Cedar
فرانسیسی: Cedre
جرمن: Zedar
عبرانی: ارز
فارسی: سروِ آزاد
عربی: شجرۃ اللہ، ارز، ارز العرب، ارز البنان
عرفِ عام: صنوبر، دیودار، قیدار
نباتاتی نام: Cedrus libani loud

قرآنِ حکیم میں چار مرتبہ اِس درخت کا ذکر آیا ہے، یعنی سورۃ سبا، سورۃ النجم اور سورۃ الواقعہ میں بہ تفصیلِ ذیل:

○ سورۃ سبا کی آیات ۱۵و۱۶:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝﴾

’’قومِ سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی تھی۔ اُن کے دائیں بائیں دو باغ تھے۔ (ہم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اُس کا شکر ادا کرو۔ یہ عمدہ شہر اور وہ بخشنے والا رب ہے۔ لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے اُن پر زور کے سیلاب (کا پانی) بھیج دیا اور ہم نے اُن کے (ہرے بھرے) باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیے جو بدمزہ میووں والے اور بکثرت جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے‘‘۔

سورۃ النجم کی آیات ۷ تا ۱۸:

﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ يَغْشَی السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝﴾

''اور وہ بلند آسمانوں کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا' بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں؟ اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ سِدرَۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اُسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے' جبکہ سدرۃ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اُس پر چھا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اُس نے اپنے ربّ کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں''۔

○ سورۃ الواقعہ کی آیات ۲۷ تا ۳۳:

﴿وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝﴾

''اور داہنے ہاتھ والے' کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔ وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں' اور تہہ بہ تہہ کیلوں' اور لمبے لمبے سایوں' اور بہتے ہوئے پانیوں اور بکثرت پھلوں میں' جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں''۔

(اردو ترجمہ از مولانا محمد جوناگڑھی)

سورۃ سبا اور سورۃ الواقعہ میں لفظ ''سِدر'' اور سورۃ النجم میں لفظ ''سِدرۃ'' دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ سبا میں ''سِدر'' کا تعلق زمین سے ہے اور باقی تین آیات کا تعلق آسمانوں اور جنت سے ہے۔

سِدرۃ واحد ہے اور اس کی جمع سِدر ہے۔ یہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ جب بیری کا

درخت بہت گھنا ہو جائے تو اس کا سایہ بہت عمدہ ہوتا ہے اور عرب' صحرا کی سخت گرمی کے ستائے ہوئے اس کے سایے میں آرام کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے جنت کے آرام اور نعمتوں کے لیے بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ ﴿فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ﴾ یعنی ایسے درخت جو پھل سے لدے ہوئے ہوں اور جن کے سایے نہایت گھنے ہوں' یا ایسے درخت جن کا سایہ تو ہو لیکن کانٹے نہ ہوں۔ یہ تو ہوئی سورۃ سبا کے زمینی ''سِدر'' کی تشریح۔

سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی کی وضاحت کے لیے جو سورۃ النجم کی آیات میں وارد ہے' مشاہیر مفسرین کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

○ مولانا عبدالماجد دریابادی: ''اصطلاح میں وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان یا دونوں پر ہے۔ ایک سے لے کر دوسرے تک اور گویا اِس عالم اور اُس عالم کے درمیان ایک نقطۂ اتصال ہے۔ عالمِ بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہی تک پہلے آتے ہیں' اور پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں' وہ بھی پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں' پھر وہاں سے اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں۔ آسمانوں کے اوپر درخت اور بیری کے درخت کے تسلیم کرنے میں دشواری کچھ بھی نہیں۔ آخر جنت میں دودھ' شہد' پانی وغیرہ کے ساتھ درخت اور باغ کثرت سے ہی ہیں۔ تو ایک بیری ہی کے درخت میں کیا خاص اشکال و استبعاد ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح جنت اور آسمان کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے مشابہ لیکن بہت مختلف ہوگی' اسی طرح یہ بیری بھی دنیا کی بیریوں سے یقیناً بہت کچھ مختلف ہوگی اور کچھ اور ہی آثار و خواص رکھتی ہو گی۔ آیت ۱۳ میں جو یہ کہا کہ: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝﴾ ''اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا''۔ یعنی اُس فرشتے کو دوبارہ ہیئت اصل پر (یعنی حضرت جبرئیلؑ) کو دیکھا' پہلی بار اسی سطح ارضی پر دیکھا تھا اور اب کی دوبارہ شبِ معراج میں۔ اور ''سِدرہ'' کو چھپانے اور لپیٹنے والی چیزیں فرشتے تھے جو بکثرت دیوانہ وار گر رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انوار و تجلیاتِ جمالِ مطلق تھے جو سدرہ کو لپٹے ہوئے تھے اور فرشتے انہی پر عاشقانہ گر رہے تھے''۔

○ علامہ محمد عبدالحق حقانی: ''سدرہ ایک درخت ہے ساتویں آسمان کے اوپر اور منتہیٰ جہاں تک بلندی کی انتہا ہے' کیونکہ اس کے اوپر عرشِ رحمٰن ہے۔ اور سدرہ کو ڈھانک رکھا تھا اُس چیز نے کہ جس نے ڈھانک رکھا تھا اور وہاں جنت الماویٰ ہے۔ حضرتؐ کی آنکھ نے خطا نہیں کی کہ دراصل کچھ اور تھا اور نظر آیا کچھ اور' بلکہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا''۔

○ مولانا مفتی محمد شفیع: ''یہ نزول بھی جبرئیل امین کا ہے' اور جیسا کہ پہلی رویت کا مقام قرآن حکیم نے اسی عالمِ دنیا میں مکہ مکرمہ کا اُفقِ اعلیٰ بتایا تھا' اسی طرح اس دوسری رویت کا مقام ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ بتلایا' اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ ﷺ کا تشریف لے جانا شبِ معراج میں ہوا ہے' اس سے اس دوسری رویت کا وقت بھی فی الجملہ متعین ہو جاتا ہے۔ سِدْرہ لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہیٰ کے معنی انتہا کی جگہ۔ ساتویں آسمان پر عرشِ رحمٰن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتلایا ہے' اور دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر' اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں (قرطبی)' اور عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے' اسی لیے اس کو منتہیٰ کہتے ہیں۔

﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴾ (آیت ۱۶) اس کی تشریح میں صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ اُس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر سونے کے بنے ہوئے پروانے ہر طرف گر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی شب سدرۃ المنتہیٰ کو خاص طور سے سجایا گیا تھا' جس میں آنے والے مہمان حضرت نبی کریم ﷺ کا خاص اعزاز تھا''۔

○ جناب غلام احمد پرویز: ''نبی کو جس مقام سے وحی ملتی ہے' وہاں انسانی عقل وفکر کے لیے سوائے انتہائی حیرت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عقلِ انسانی اس مقام کی ماہیت کو قطعاً نہیں سمجھ سکتی۔ اسے وہاں حیرت ہی حیرت ہوتی ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جہاں تحیّر اپنی انتہا تک پہنچ جائے۔ اس کی تشریح آئندہ آیت ۱۶ میں کر دی ''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا''۔ یعنی یہ تمہارے (غیر از نبی انسانوں کے) لیے ممکن نہیں کہ تم جان سکو کہ وہ کیا کیفیت تھی۔ تمہاری نگاہ کے لیے وہ تحیّر کی فراوانی تھی جس نے ساری فضا کو ڈھانپ رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود نبی کی آنکھ کسی قسم کا دھوکا نہیں کھاتی۔ وہ حقائق کو بالکل واضح دیکھتی ہے''۔ (آیت ۱۷)

○ مولانا امین احسن اصلاحی: ''سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جہاں اس عالمِ ناسوت کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں۔ ''سدرہ'' بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیری کا درخت عالمِ ناسوت اور عالمِ لاہوت کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے۔ ہمارے لیے یہ سارا عالم نادیدہ ہے۔ نہ ہم عالمِ ناسوت اور عالمِ لاہوت کے حدود کو جانتے ہیں اور نہ ان دونوں

کے درمیان اس نشانِ فاصل کی حقیقت سے واقف ہیں جس کو یہاں ''سدرہ'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ چیزیں متشابہات میں داخل ہیں۔ اس وجہ سے' قرآن کی ہدایت کے مطابق' ان پر ایمان لانا چاہیے۔ ان کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔ ان کی حقیقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ جن کا علم راسخ ہوتا ہے' اُن کے علم میں ان چیزوں سے اضافہ ہوتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو ان کی حقیقت جاننے کے درپے ہوتے ہیں' وہ ٹھوکر کھاتے اور گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں''۔

o مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: ''یہ جبریل علیہ السلام سے نبی ﷺ کی دوسری ملاقات کا ذکر ہے' جس میں وہ آپؐ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس ملاقات کا مقام ''سدرۃ المنتہیٰ'' بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے قریب ''جنت الماویٰ'' واقع ہے۔ سدرہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہیٰ کے معنی ہیں آخری سرا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے لغوی معنی ہیں ''وہ بیری کا درخت جو آخری یا انتہائی سرے پر واقع ہے''۔ علامہ آلوسیؒ نے ''روح المعانی'' میں اس کی تشریح یہ کی ہے: ''اس پر ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے' آگے جو کچھ ہے' اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ ہمارے لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ اس عالمِ مادّی کی آخری سرحد پر وہ بیری کا درخت کیسا ہے اور اس کی حقیقی نوعیت و کیفیت کیا ہے۔ یہ کائناتِ خداوندی کے وہ اسرار ہیں جن تک ہمارے فہم کی رسائی نہیں ہے۔ بہرحال وہ کوئی ایسی ہی چیز ہے جس کے لیے انسانی زبان کے الفاظ میں ''سدرہ'' سے زیادہ موزوں لفظ اور کوئی نہ تھا''۔

سورۂ سبا میں ''سدر'' کا تعلق زمین سے ہے' اور علماء اور ماہرینِ نباتیات کا اس خیال پر اتفاق رائے ہے کہ وہ لبنانی قیدار یا صنوبر ہے جسے دیودار بھی کہتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدراج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک جامع خطاب

☆صفحات: 72 ☆قیمت: 15 روپے

قرآن کا دستورِ اساسی

تحریر: علامہ محمد تقی امینی

''دستورِ اساسی'' سے مراد وہ اصول وضوابط اور قانونی تشریحات ہیں جن کے مطابق زندگی کی تعمیر ہوتی ہے' حکومت کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کا انتظام چلایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اصلاً اصول وضوابط ہی کی کتاب ہے' قانونی تشریحات اس میں بہت کم ہیں' لیکن جس قدر بھی ہیں وہ بطورِ ''نمونہ'' اصول وضوابط سے حاصل کردہ ہیں' تاکہ ان کی روشنی میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لیے مزید قوانین حاصل کیے جائیں۔

یہ طریق کار اِس ''دستور'' کے لیے ناگزیر ہے جس کی حیثیت دوامی اور عالمگیر ہو' کیونکہ بیک وقت اگر زندگی ومعاشرہ سے متعلق قانون کی تفصیل بیان کردی جاتی یا حکومت کی عملی تشکیل کا خاکہ تیار کردیا جاتا تو وہ ایک دَور اور ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص اور محدود ہو کر رہ جاتا اور اس میں وہ جامعیت وجاذبیت نہ پیدا ہوتی جو نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لیے درکار ہے۔

''دستور'' سے مزید قوانین حاصل کرنے کے لیے دو قسم کے شعور کی ضرورت ہے:

(۱) شعورِ نبوت اور (۲) شعورِ اجتہاد

شعورِ نبوت سے مراد علم وحکمت کا نور اور فہم وادراک کا وہ کمال ہے جو نبوت کے خلقی وجدان اور داخلی شعور کا نتیجہ اور فیضانِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ شعورِ اجتہاد سے مراد علم وفہم کی وہ سطح یا ذہن وفکر کی وہ رسائی ہے جو عقلی بصارت وقلبی بصیرت کا نتیجہ اور اخذ واستنباط کی صلاحیت کا ذریعہ ہے۔

ختم نبوت پر شعورِ نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا' لیکن یہ اُس وقت ختم ہوا جبکہ شعورِ اجتہاد اس کی قائم مقامی کے قابل بن گیا' یعنی اس میں اس درجہ پختگی' توانائی اور خود اعتمادی پیدا ہوگئی کہ زندگی ومعاشرہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اس کو بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر

دیکھنے کی ضرورت نہ رہی (جیسا کہ ختمِ نبوت سے قبل رسول اور نبی کے ذریعے آسمانی ہدایت کا انتظار رہتا تھا) بلکہ وہ خود تلاش و جستجو اور غور و فکر سے یہ مسائل حل کرنے لگا۔

لیکن زندگی و معاشرہ کا تجربہ رکھنے والے ماہرین و مفکرین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ شعور، عقلی بصارت اور قلبی بصیرت کے فیصلے اور نتائج بشری خصوصیات اور کمزوریوں سے خالص اور بے آمیز نہیں ہوتے، بلکہ طبعی حجابات اور وضعی حالات اِن دونوں میں اس قدر پیوست ہیں کہ کلی طور پر اُن کو کسی وقت جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں لازمی طور سے شعورِ اجتہاد (جس کی تکوین میں دونوں کی آمیزش ہے) کے فیصلے اور نتائج نہ بالکلیہ خالص و بے آمیز ہوں گے اور نہ زندگی و معاشرہ کے مسائل حل کرنے کے لیے اس کو آزاد و خود مختار چھوڑنے کی اجازت ہوگی، بلکہ ہر موڑ اور ہر موقف پر اس کے لیے بلند و برتر رہنما کی تلاش اور ضرورت ہوگی کہ جس کی رہنمائی میں حتی المقدور اپنے فیصلے اور نتائج میں نکھار پیدا کر سکے اور جس کا دامنِ عصمت اس کی تر دامنی کے لیے ذریعۂ نجات بن سکے!

یہ رہنما شعورِ نبوت ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس سے زیادہ کسی اور کے خالص اور بے آمیز ہونے کی ضمانت نہیں تھی۔ اس شعور سے رہنمائی حاصل کرنے کا براہِ راست سلسلہ اگرچہ ختم ہو گیا لیکن اس سے حاصل شدہ وہ علم و ادراک موجود ہے جو قرآن کی معنوی دلالت سے اخذ و استنباط کیا ہوا ہے اور جس کا اصطلاحی نام ''حدیث'' ہے۔ یہ نام بھی قرآن سے لیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں یہ ''دستور'' اور کتابوں کی طرح یکجا نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ایمانیات، اخلاقیات اور تاریخی واقعات وغیرہ کے ساتھ اس کو شامل کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی دستور کوئی منفرد شے نہیں بلکہ فکری و اخلاقی نظام کا ایک جزء ہے اور فلسفۂ تاریخ کی طاقت اس کی پشت پر ہے جس نے تمام اجزاء کو حیاتیاتی تعلق کے ساتھ اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ کوئی جزء دوسرے سے جدائی کے بعد اپنی مطلوبہ افادیت نہیں برقرار رکھ سکتا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ اندازِ بیان دستور کو مؤثر بنانے، ثبات و استحکام بخشنے، وحدت و یکسانیت برقرار رکھنے اور ماضی و حال میں گہرا ربط پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

زندگی ارتقاء پذیر ہے تو اس کو منظم کرنے والے قوانین لازمی طور سے ارتقاء پذیر ہوں گے۔ لیکن دونوں کو آوارہ گردی سے بچانے کے لیے ارتقاء کی سمت اور شاہراہ کا تعین لازمی ہے کہ ان کے بغیر زندگی اور قانون کی حرکت صحیح سمت کی جانب متعین شاہراہ پر نہیں ہو سکتی۔ یہ

انداز بیان نہ صرف حرکت درست رکھنے کا انتظام کرتا ہے بلکہ زندگی اور قانون کے درمیان ایسے ربط و تعلق کی نشاندہی کرتا ہے کہ دونوں کی حرکت ایک دوسرے کے لیے لازم بن جاتی ہے۔ اگر کسی زمانہ میں یہ تلازم برقرار نہ رہا اور زندگی اپنے ارتقائی مراحل میں قانون کو ساتھ رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکی تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کی وہ شعوری سطح ابھی نمودار ہی نہیں جو اِس کو قانونی ارتقاء پر مجبور کرے' صرف چمک دمک دیکھ کر دھوکہ ہورہا ہے اور سراب پر پانی کا حکم لگایا جارہا ہے۔

زندگی اور قانون کی حرکت اور دونوں کے درمیان تلازم کو سمجھنے کے لیے ختم نبوت کے بعد وہ منظر دیکھنا مفید رہے گا کہ جب زندگی کو ایرانی تہذیب اور رومی تمدن سے سابقہ پڑا اور نئی نئی ضرورتیں ابھر کر سامنے آئیں جن کی بنا پر قانون کی سادگی کو تمدن کی چاشنی کا رنگ دینا پڑا اور اس حد تک وسیع کرنا ناگزیر ہوگیا کہ ''دستور'' کی دوامی اور عالمگیر پوزیشن برقرار رہے۔ شعورِ نبوت کے رمز شناسوں اور شعورِ اجتہاد کے قاموس نگاروں کو اللہ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے کہ انہوں نے جس انداز سے اس چیلنج کو قبول کیا اور جس نیت کے ساتھ قانون کے دامن کو وسیع کیا وہ قانونی تاریخ کا روشن باب ہے جو رہنمائی کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اگر خدانخواستہ ان پر جمود طاری ہوتا یا زندگی و قانون دونوں کے ایک ساتھ ارتقاء پر اُن کا ایمان نہ ہوتا تو قرآنی دستور صرف عرب میں محدود ہو کر رہ جاتا اور نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی دائمی رہنمائی کی صلاحیت ختم ہوجاتی' پھر آج وہ اس قابل ہی نہ رہتا کہ جرأت اور ہمت اور دعویٰ کے ساتھ اس پر گفتگو کی جاسکے۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کی بنیاد فطرت پر قائم ہے جس کی حیثیت انکشافِ حقیقت کی ہے اور اس کے خیر و شر' جواہر و جراثیم اور طیبات و خبائث کا فیصلہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔ سماج پر اُس کی بنیاد قائم نہیں ہے کہ جس کے خیر و شر اور خوب و ناخوب کا فیصلہ سماج کرتا ہے اور اُسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک سماج اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور قانون کے ارتقاء میں فطرت اور اس سے متعلق قرآنی فیصلوں کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیے' ورنہ زندگی خود زندگی سے گریزاں اور قانون آوارگی کا شکار ہوجائے گا۔

پھر یہ فطرت انسان کی فطرت ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور اپنی خلافت اور کائنات کی قیادت کے عظیم منصب سے سرفراز فرمایا۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اُس کی کشش اللہ کی طرف ہے اور قائد ہونے کی حیثیت سے کائنات کی کشش اُس کی طرف ہے۔ زندگی کے

حالات و مساعدت میں اگر یہ کشش اور توازن برقرار نہ رہا تو پھر قانون اور زندگی کے درمیان رابطہ کا تعلق پیدا نہ ہو سکے گا' صرف ضابطہ کا تعلق رہ جائے گا جس کی بنا پر ظاہر و باطن میں یکساں قانون کی افادیت برقرار نہ رہ سکے گی۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کی ابتدا اُس وقت سے بیان ہوئی ہے جبکہ انسان دنیا میں خلافت و قیادت کے منصب پر سرفراز ہو کر آیا اور انتہا اُس وقت ذکر کی گئی ہے جبکہ جوہرِ انسانیت کے قویٰ و خواص بلوغ کی حد میں داخل ہو گئے۔ اس اثناء میں دستور کے اجزاء کو مختلف مراحل سے گزارنے اور تجربہ کی کسوٹی پر کسنے کے لیے صدیوں کا نہیں بلکہ قرنوں کا موقع ملا ہے۔ اِدھر جوہرِ انسانیت اس کی مدد سے رفتہ رفتہ اپنی خامی و کمی دور کرتا اور اپنی قوت و توانائی میں اضافہ کرتا رہا' یہاں تک کہ اس قابل ہو گیا کہ وہ علم و حکمت کا متحمل ہو سکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں تعلیمِ حکمت داخل کرنا خود اس بات کی قرآنی ضمانت ہے کہ اب جوہرِ انسانیت پختگی کے اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ انسان کا شعور دستوری اجزاء کی غرض و غایت اور ان کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر کے قانون و ارتقاء کو جاری رکھ سکے۔ اجتہاد کی بنیاد اسی حکمت پر قائم ہے جو ختم نبوت کے بعد نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کا واحد ذریعہ اور ''دستور'' کی تکمیل کا اہم باب ہے!!

قرآن حکیم میں ''دستور'' پر شاہد افضل الرسل' خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بنایا گیا ہے جن کے اثرات زندگی و معاشرہ پر ایسے ہی چھائے ہوئے ہیں جیسے ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آتا ہے' اور جن کو موافق و مخالف سبھی نے تاریخِ انسانی کے منتخب لوگوں میں نمبر اوّل پر رکھا ہے۔ اس ذاتِ گرامی کو مقامِ شہادت پر کھڑا کر دینا اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ فہم و ادراک اور قول و عمل ہر لحاظ سے دنیا اور آخرت میں اس دستور کے شاہد ہیں۔

حضور ﷺ کے بعد پھر آپؐ کی وراثت کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ کی شہادت کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا۔ ظاہر ہے کہ فرائضِ وراثت کی ذمہ داری سے سبکدوشی صرف دستور کی ترجمانی سے نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کے لیے ہر دَور و زمانہ میں وہ تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی صلاحیت درکار ہے کہ جس کے ذریعے نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کا رشتہ اس سے منقطع نہ ہونے پائے۔

یہ زندگی اور معاشرہ جوہرِ انسانیت کی انہی صلاحیتوں سے وجود میں آئے گا جن کی پختگی کے بعد ''دستور'' آیا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور معاشرہ کی ترقی سے جس قدر نئی جزئیات

پیدا ہوں گی اُن کا اصول وکلیات میں موجود ہونا لازمی ہے' صرف اُن سے اخذ واستنباط کی ضرورت ہے۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کو کامل ومکمل شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ اب اس میں تبدیلی یا کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے تاریخِ انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہے:

(۱) قبل ختمِ نبوت اور (۲) بعد ختمِ نبوت

قبل ختمِ نبوت میں جوہرِ انسانیت کے قویٰ وخواص کی خامی وکمی بتدریج دُور کی جاتی رہی۔ اس لیے ہر قوم اور ہر گروہ میں رسول و نبی آتے رہے اور دستوری اجزاء کا تجزیہ کرتے رہے۔ اگر اس مرحلہ میں دستور کی تکمیل کر دی جاتی تو نہ صرف یہ کہ جوہرِ انسانیت کے قویٰ و خواص کو پختگی نہ میسر آتی بلکہ موجودہ خامی وکمی کو استقرار اور جماؤ حاصل ہو جاتا' پھر خلافت اور قیادت کا وہ تصور نہ ابھرتا جو ختم نبوت کے بعد ابھرا ہے۔

بعد ختمِ نبوت میں پہلے والی خامی وکمی دور کرنے کا مرحلہ ختم ہو چکا تھا' اب بلوغ وپختگی کے بعد قویٰ وخواص سے اُبھرنے والی صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کا مرحلہ تھا جس کے لیے مختلف رسولوں اور نبیوں کا آتے رہنا یا دستور میں ردّوبدل اور کمی بیشی کرتے رہنا دونوں سخت مضر تھے۔ اس بنا پر صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کے لحاظ سے افضل الرسل ﷺ اور اُن کے لائے ہوئے دستور کو بقاء ودوام کی سعادت سے نوازا گیا۔

جوہرِ انسانیت نورانی اور حیوانی بنیادوں کے امتزاج کے بعد وجود میں آتا ہے اور اسی میں خلافت وقیادت کی صلاحیت پوشیدہ ہے۔ یہ صلاحیت نہ تنہا نورانی بنیاد میں ہے اور نہ تنہا حیوانی بنیاد میں ہے' بلکہ ان دونوں کے امتزاج میں ہے' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوہرِ انسانیت میں نورانی وحیوانی بنیادوں کے درمیان ''تجاذبی قوت'' کی ایک حد مقرر ہے جو دونوں کی طبعی خصوصیات پر مبنی ہے۔ پختگی کے بعد اس مد میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا' ورنہ خلافت وقیادت کی صلاحیتوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جس طرح لوہے کے ٹکڑے میں خارجی مقناطیسی میدان کے ذریعہ فولادی مقناطیسیت پیدا کرنے میں ایک حد ایسی آتی ہے کہ پیدا شدہ مقناطیسیت میں مزید اضافہ نہیں کیا جا سکتا' خواہ خارجی مقناطیسی میدان میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ کر دیا جائے۔

ختمِ نبوت کے بعد جو ''دستور'' دیا گیا وہ اس ''حد'' کے لحاظ سے نہایت جامع وکامل

ہے کہ ''حد'' کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے اس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں اور ''حد'' کو بدل دینے میں خلافت و قیادت کا نظام درہم برہم ہوتا ہے۔ اس لیے ''دستور'' کو آخری شکل دے کر نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ اگر اس سلسلہ کو جاری رکھا جاتا تو ترقی کی وہ نوع نہ وجود میں آتی جو ختم ہونے کے بعد وجود میں آئی' جیسا کہ ختمِ نبوت سے قبل کے حالات و واقعات سے ثابت ہے۔

رسولوں اور نبیوں کا جوہرِ انسانیت نورانی و حیوانی بنیادوں سے ترکیب پانے کے باوجود اس کا ''آرگنائزیشن'' ابتدا ہی سے اس نوع کے دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا ہے' پھر خارج سے نورانی شعاعوں کے ذریعے اس کو اتنی نورانی قوت پہنچا دی جاتی ہے کہ جوہرِ انسانیت کی نورانی و حیوانی بنیادوں کے تناسب میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس کے لحاظ سے علمی و عملی ایکٹویٹی (Activity) میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ جس طرح برقی و مقناطیسی لہروں کے ڈالنے سے دماغی سیلوں کی برقی activity میں تبدیلی کی جا سکتی ہے جو ''سیل'' کے مثبت و منفی چارج کے تناسب میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح نورانی شعاعوں کے ڈالنے سے رسولؑ اور نبیؑ کی علمی و عملی activity میں تبدیلی کی جاتی تھی جو جوہرِ انسانیت کے مثبت و منفی (نورانی و حیوانی بنیاد) چارج کے تناسب میں تبدیلی سے رونما ہوتی تھی۔ لیکن اس تبدیلی اور نورانی شعاعوں کے ڈالنے کی بھی ایک حد مقرر ہے کہ اس کے بعد حیوانی بنیاد کے شعلے بجھ کر بشریت ختم ہو جاتی ہے اور رسول کی ذات دوسرے انسانوں کے لیے نمونہ نہیں رہتی۔

رسول اللہ ﷺ میں یہ ''حد'' انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے بعد تکمیلِ انسانیت کا کوئی اور درجہ نہ رہ گیا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ختمِ نبوت کی مستحق تھی۔ تکمیلِ انسانیت کے بعد ہی تکمیلِ ''دستور'' کا یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

مذکورہ مثال سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ''سائنس'' جوہرِ انسانیت میں تبدیلی سے رسول اور نبی بنا سکتی ہے۔ کیونکہ جسم انسانی میں جس حد تک اس کی رسائی ہوئی ہے اسی میں اس کی کارگزاریاں حد درجہ محدود ہیں۔ مثلاً دماغی سیلوں کا ''آرگنائزیشن'' ہر انسان میں یکساں

(باقی صفحہ 40 پر)

فرائضِ والدین

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ :((اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ ، فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ ، اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ)) [صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پس حاکم اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے متعلق پوچھا جائے گا' اور مَرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی' اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور بچوں کی ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے متعلق باز پُرس کی جائے گی اور غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار رہو! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا''۔

یہ حدیث احساسِ ذمہ داری کے متعلق ہے۔ عربی زبان میں ''رَاعٍ'' کا معنی ہے چرواہا اور ''رعیۃ'' ریوڑ کو کہتے ہیں۔ جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کی نگہداشت' دیکھ بھال' بھوک پیاس اور دوسری ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے اسی طرح مسلمانوں کا ہر فرد ذمہ دار ہے اور اُسے اپنی ذمہ داری کو بہترین انداز میں پورا کرنا ہے' کیونکہ آخرت میں اس سے اپنی ذمہ داری کے متعلق باز پُرس ہوگی۔ مرد خاندان کا سربراہ ہے۔ اُس کی ذمہ داری

ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرے' اُن کی تربیت کرے اور انہیں اچھے اخلاق سکھائے۔ اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے افرادِ خانہ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کرے۔ اُنہیں نماز روزے کی تلقین کرے' اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے' اُن کے کردار و عمل پر نگاہ رکھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنے فکر و عمل سے مثالی نمونہ پیش کرے۔ اپنے بیوی بچوں کو محض پند و نصائح کرنا کافی نہیں۔ اگر اس کا اپنا عمل اُس کی گفتار کے مطابق نہیں تو صرف ہدایات جاری کرنا بے سود ہوگا۔ قرآن مجید میں تو اِس طرزِ عمل پر شدید وعید بایں الفاظ نازل ہوئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصّف)

''اے ایمان (کا دعویٰ کرنے) والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں''۔

دوٹوک بات ہے کہ جب گھر کا سربراہ خود سگریٹ پیتا ہو تو وہ اپنے بچوں کو سگریٹ نوشی سے کیسے روک سکتا ہے! اسی طرح اگر وہ خود نماز کی پابندی نہیں کرتا' وعدہ نہیں نبھاتا' جھوٹ بولتا ہے' بدزبانی کرتا اور گھٹیا کردار کا حامل ہے تو وہ اپنی اولاد کو اِن رذائل سے کیسے بچا سکتا ہے! گویا صاحبِ خانہ کو ایک اچھے مسلمان کی سی زندگی گزارنا ہوگی تاکہ اُس کے گھر والے خود بخود اُس کے نقشِ قدم پر چل کر پسندیدہ کردار اپنا سکیں۔

اسی طرح عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور بچوں کی ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دے جس کی اُس کا شوہر اجازت نہ دے' گھر کو صاف ستھرا رکھے' شوہر کے مال کو اُس کی مرضی کے بغیر خرچ نہ کرے' شوہر کی خوشنودی کے حصول میں کوشاں رہے۔ اگر بالفرض شوہر کے کردار میں کچھ کمزوریاں ہوں تو بھلے طریقے سے اسے سمجھائے۔ پھر وہ اپنے بچوں کی بھی ذمہ دار ہے۔ اُن کی کردار سازی میں جس طرح مَرد ذمہ دار اور جواب دہ ہے عورت بھی ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہے۔ ماں اگر مضبوط کردار کی حامل ہوگی تو اولاد پر اُس کا گہرا اثر پڑے گا۔ اگر عورت ناچ گانے کی رسیا' پردے سے عاری اور نیم عریاں لباس پہننے والی ہوگی تو وہ اپنے بچوں کو ایمان و یقین اور قرآن و حدیث کے قریب کیسے لائے گی؟ اُس کے بچے تو لازماً حیا باختہ اور ماں کے برے کردار و عمل کا نمونہ ہوں گے۔ ہاں' اگر وہ خاتونِ جنت اور رسول اکرم ﷺ کی پیاری

بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کو اپنا راہنما بنائے گی تو ضرور باصلاحیت' باکردار اور پاکباز بچے جنے گی۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:۶) (تم خود بھی آگ سے بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ) کے الفاظ میں تنبیہ کر کے حقیقی خطرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ یعنی ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ خود بھی جہنم سے بچنے کا سامان کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس آگ سے بچائیں۔ لیکن افسوس کہ آج ماں باپ کو اپنے بچوں کے لباس وخوراک وغیرہ کی تو فکر ہے' اُن کی دنیاوی تعلیم پر وہ ہزاروں روپے ماہوار خرچ کرتے ہیں' مگر اُن کے سیرت وکردار کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے ڈاکٹر' انجینئر' قانون دان اور حکمران وغیرہ تو بن جاتے ہیں مگر اچھے انسان اور اچھے مسلمان نہیں بن پاتے۔

مذکورہ بالا حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا کہ اولاد کے بارے میں ماں باپ سے پوچھ گچھ ہوگی۔ اگر اس معاملے میں کوتاہی کی گئی تو انجام اچھا نہ ہوگا۔ بے نمازی ماں باپ بے شک اولاد کو صبح وشام نماز پڑھنے کی تلقین کریں مگر عملی طور پر وہ انہیں نماز نہ پڑھنے کا سبق دے رہے ہیں۔ کیونکہ اصل محرک تو انسان کا کردار ہے۔ کسی دانش ور نے بہت خوب کہا ہے کہ ہزاروں ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل کا وزن زیادہ ہے۔ لہٰذا والدین کا فرض ہے کہ وہ خلافِ شریعت اعمال سے خود بھی پرہیز کریں اور اپنی اولاد کو بھی بہرصورت گناہوں کے کاموں سے روکیں۔ والدین کا اچھا نمونہ یقیناً اولاد کو متاثر کرے گا۔ بقول علامہ اقبال: ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

''اے خاتون! تو اُسوۂ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اختیار کر اور زمانے کی نظروں سے اوجھل زندگی گزار' یعنی پردہ اختیار کر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر تیری گود میں ایک حسینؓ پرورش پائے گا''۔

عام طور پر ہم والدین کی فضیلت کی قرآنی آیات اور احادیثِ شریفہ پڑھتے اور سنتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ماں باپ کی تو بڑی فضیلت ہے۔ باپ کے غصہ میں اللہ کی ناراضگی ہے اور اُس کی رضا میں اللہ کی رضا ہے۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ مگر بطور والدین ہم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے۔ یوں اولاد سے اپنے حقوق تو مانگتے ہیں مگر اپنے

فرائض کی ادائیگی سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی خود فریبی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ غلام بھی جواب دہ ہے کہ اُس نے اپنے آقا کا مال اس کی مرضی کے مطابق خرچ کیا یا خیانت کی۔

بہرحال اس حدیث کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زیرِ اثر افراد کی کردار سازی میں کسی طرح کی غفلت اور عدم توجہی اختیار نہ کریں' بلکہ پوری کوشش اور جدوجہد کے ساتھ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں' جس کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ خود اچھے مسلمان بنیں' قرآن سیکھیں' سیرت کا مطالعہ کریں' بزرگانِ دین اور صالح لوگوں کے مضبوط کردار سے واقفیت حاصل کریں اور اس کی روشنی میں پسندیدہ شخصیت بنیں۔ نتیجتاً نیکیاں اختیار کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں' تاکہ خود دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں اور دوسرے قدم کے طور پر اپنے بیوی بچوں کے حقوق سے آگاہی حاصل کر کے انہیں اچھے اخلاق اور مضبوط کردار سے آراستہ کریں۔ اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے اور ماں باپ کی حقیقی فضیلت کا اہل بننے کے لیے اچھا ماں باپ بننا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہمہ وقت اپنے اخلاق و کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالنا ناگزیر ہے۔

بقیہ: قرآن کا دستورِ اساسی

نہیں ہوتا' بلکہ پیدائشی طور پر مختلف ہوتا ہے (جس میں انسان کو کوئی دخل نہیں)۔ اس لیے برقی و مقناطیسی لہروں کے ڈالنے سے یکساں تبدیلیاں بھی نہیں کی جا سکتی ہیں۔ سائنس کی رسائی جوہرِ انسانیت تک ابھی نہیں ہو سکی۔ نورانی شعاعیں (جو اس پر ڈالی گئی تھیں) بھی اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ پھر رسولؐ اور نبیؐ کے جوہر انسانیت کا آرگنائزیشن دوسرے تمام انسانوں سے پیدائشی طور پر مختلف تھا اس لیے نورانی شعاعوں کے ڈالنے سے کسی اور انسان میں نہ ویسی تبدیلی کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ تبدیلی کے نتیجے میں ویسی علمی و عملی activity کے ظہور کی گنجائش نکلتی ہے۔ یہ مثال نبوت و رسالت کو محض قریب الفہم بنانے کے لیے دی گئی ہے' کوئی اور تشبیہ مقصود نہیں ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین oo

اسلام میں زوجین کے حقوق (۲)

تالیف: الشیخ محمود احمد یاسین
ترجمہ وتلخیص: حافظ محمد زبیر ☆

بیوی کے شوہر پر حقوق

یہاں بھی ہم دس حقوق پر اکتفا کریں گے' تاکہ غیر ضروری طوالت سے بچا جا سکے۔ اس سے پہلے کہ ہم ان حقوق کا آغاز کریں' ہم یہ بات عورت اور اس کے اولیاء کے لیے بطورِ نصیحت ذکر کیے دیتے ہیں کہ انہیں اپنی بیٹی کے لیے اچھے اخلاق کے مالک' دین دار' مؤدب' سمجھ دار اور تربیت یافتہ شوہر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ انہیں شہرت' مال کی محبت اور جمال کے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے اور انہیں چاہیے کہ اس معاملے میں جلدی اور عجلت پسندی سے کام نہ لیں۔ یہ دس حقوق درج ذیل ہیں:

① حق مہر کی ادائیگی

عورت کا اُس کے شوہر پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اُس کا مہر پورا پورا ادا کرے۔ امام طبرانیؒ نے ''المعجم الصغیر'' اور ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ، لَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ))

''جس شخص نے بھی کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لیے تھوڑا یا زیادہ مہر مقرر کیا' لیکن اس کے جی میں اُس کا حق مہر ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ زانی ہوگا۔''

☆ ریسرچ فیلو' شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

اسی طرح امام بیہقیؒ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

((مِنْ اَعْظَمِ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاَةً، فَلَمَّا قَضٰى حَاجَتَهٗ مِنْهَا طَلَّقَهَا وَذَهَبَ بِمَهْرِهَا))

''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات عظیم ترین گناہوں میں شمار ہوتی ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے، پھر جب اپنی خواہش پوری کر لے تو اُس کو طلاق دے دے اور اس کا حق مہر لے اُڑے۔''

② عورت پر معروف (رواج) کے مطابق خرچ کرنا

شوہر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ احسان وحسن سلوک کرے۔ اس کو خرچہ دے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے، اس کے کپڑوں کا دھیان کرے، اس کے ساتھ خوش دلی سے معاملہ کرے اور بات میں نرمی اختیار کرے۔ کیونکہ اِن باتوں کے بارے میں شوہر سے سوال ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ اَحَفِظَ اَمْ ضَيَّعَ؟ حَتّٰى يُسْاَلَ الرَّجُلُ عَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ))(۲۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر نگہبان (ذمہ دار) سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھنے والا ہے کہ کیا اس نے اپنی ذمہ داری پوری طرح سے ادا کی یا اسے ضائع کر دیا؟ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اسی طرح ابوداؤدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ))(۲۱)

''کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ جس کا ذمہ دار ہے اس کو ضائع کر دے۔''

اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے اور نہ ہی اسراف کرے، بلکہ میانہ روی اختیار کرے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾ (الاعراف)

''اور کھاؤ پیو، لیکن فضول خرچی سے کام نہ لو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کے بارے میں وصیت کی ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (النساء:۱۹)

''اور اُن کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔''

پس شوہر کے لیے لازم ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارے اور نان نفقہ دینے میں اس کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے۔ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے' جسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے' کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا' فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ)) (۲۲)

''خبردار! عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو' بے شک وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔''

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ))(۲۳)

''سنو! تمہاری عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ کھانے اور پہننے کے ضمن میں احسان کا معاملہ کرو۔''

ابوداؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

((اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ—— اَوِ اكْتَسَبْتَ —— وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ)) (۲۴)

''یہ کہ تُو اس کو کھلائے جو تو خود کھائے اور اس کو پہنائے جو تو خود پہنے' اور اس کے چہرے پر نہ مار اور نہ اسے برا بھلا کہے۔''

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر وہ اس پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لے تو عورت اپنی اور اولاد کی ضرورت کے مطابق اس کے مال سے بغیر اجازت لے سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے لیے تھا کہ:

((خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ)) (۲۵)

''تو معروف طریقے سے اتنا مال اپنے خاوند کے مال سے لے لے جو تجھے اور

تیرے بچوں کو کفایت کر جائے۔''

بیوی کے ساتھ احسان میں یہ بھی شامل ہے کہ بیوی کو چھوڑ کر شوہر دعوتیں نہ اڑاتا پھرے' بلکہ بیوی کو بھی اپنے ساتھ عمدہ و لذیذ کھانوں میں شریک کرے۔ امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ''میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ آدمی ہر جمعہ کو اپنے گھر والوں کے لیے حلوہ (سویٹ ڈش) تیار کرے۔''

اس قسم کے کام عرف و عادت اور معاشرے کے رسم و رواج کے مطابق شوہروں کو کرتے رہنا چاہئیں۔ جب بھی شوہر کھانا کھائے اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کر کے ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھائے۔

امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں:

''ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے اس گھر پر رحمتیں بھیجتے ہیں جو اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں''۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے میں برکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی قول ہے:

((فَاجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ))(۲۶)

''اپنے کھانے پر اکٹھے ہو جایا کرو' تمہارے لیے اس میں برکت ڈال دی جائے گی۔''

اور یہ بات بھی آداب میں داخل ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو بقیہ کھانا صدقہ کرنے کا حکم دے' اور ایسا کھانا کہ جو اگر چھوڑ دیا جائے تو خراب ہونے کا اندیشہ ہو' اُس کو بھی صدقہ کرے۔ مزید یہ کہ روٹی کے ٹکڑوں کو اکٹھا کرے' انگلیوں اور برتن کو چاٹ کر صاف کرے اور پلیٹ میں کھانا باقی نہ چھوڑے۔ اور مرد کو اس بات کی امید رکھنی چاہیے کہ اپنی بیوی اور اپنے خاندان کے دوسرے افراد پر جو وہ خرچ کرتا ہے اسے اس کا اجر ملے گا۔ وہ جب بھی گھر والوں پر خرچ کرے تو فرض کی ادائیگی کی نیت کرے' تاکہ اللہ کے حکم پر عمل ہو سکے اور اپنے گھر والوں کو دوسروں کی محتاجی سے بچا سکے۔ امام مسلمؒ نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا اَنْفَقَ عَلٰی اَهْلِهٖ نَفَقَةً وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً)) (۲۷)

''جب مسلمان اپنے اہل و عیال پر کچھ خرچ کرے اور ثواب کی امید رکھے تو یہ

اُس کے لیے صدقہ ہوگا۔''

اسی طرح امام مسلمؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ)) (۲۸)

''ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جو تم کسی مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔ ان میں سب سے زیادہ اجر اُس دینار کا ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔''

اور جو کوئی اللہ کی رضا کے لیے اپنی بیوی اور گھر کے افراد پر خرچ کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسا لباس خرید کر نہ دے جو کہ قومی اقدار کا آئینہ دار اور سنجیدہ لباس نہ ہو اور اپنی بیوی کو مغربی طرز کے مختصر' باریک' چمکدار اور بھڑکیلے لباس سے منع کرے' کیونکہ ایسے لباس کا خریدنا آخرت میں عذاب کا باعث ہے اور دنیا میں اپنے وطن سے غداری کے مترادف ہے۔

③ بیوی پر حلال طریقے سے خرچ کرنا

شوہر کو جن باتوں کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے اُن میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اہلیہ اور گھر کے باقی افراد پر حلال اور پاکیزہ طریقے سے رزق کما کر خرچ کرے۔ اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بیوی بچوں کے لیے وہ گناہ اور بدنامی کے دروازے کھولے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے اوپر بھی اور ان کے اوپر بھی ظلم کرے گا۔ حرام دنیا میں شرمندگی اور آخرت کی تباہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ)) (۲۹)

''وہ جسم جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو کہ حرام سے پروان چڑھا۔ اس کے لیے آگ زیادہ بہتر ہے''۔

اور قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم)

''اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو کہ سخت اور تندخو ہیں' وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کام میں جس کا وہ ان کو حکم دے' اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اسے وہ بجالاتے ہیں۔''

اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ)) (۳۰)

''خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))

''اور آدمی اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

④ بیوی کی دینی تعلیم اور فرائض دینیہ سے واقفیت کے لیے مناسب انتظام کرنا

عورت کی تعلیم مَرد کے ذمہ ہے اور یہ عورت کا حق ہے۔ اہل علم نے کہا ہے کہ جب تک کوئی آدمی اپنی بیوی کی ضروری تعلیم کے لیے کوشاں رہتا ہے عورت پر علماء سے سوال کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر مَرد علماء سے سوال پوچھنے میں عورت کی نیابت کرے اور خود علماء سے رابطہ کر کے بیوی کو مسائل سے آگاہ کر دے تو پھر بھی عورت کے لیے گھر سے نکلنا ممنوع ہے۔ اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عورت دین کے بارے میں سوال کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور مَرد اگر اس کو منع کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ اور جب عورت شریعت کے بعض احکامات میں کوتاہی کرتی ہے اور مَرد اس کے لیے مناسب تعلیم کا بندوبست نہیں کرتا تو وہ گناہ گار ہوگا' کیونکہ احکامِ دینیہ' جن کا تعلق عقائد وعبادات اور معاملات سے ہے' ان کا سیکھنا ہر بالغ مَرد وعورت پر فرض ہے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کی دینی تعلیم کے معاملے میں بھی ایسی ہی حرص کا مظاہرہ کرے جیسا کہ اس کے کھانے اور کپڑوں کے معاملہ میں مَرد حضرات حساس ہوتے ہیں' کیونکہ ایسی ضرورت جس سے عورت کی آخرت سنور جائے' اس ضرورت سے کئی گنا بہتر ہے جس سے اس کا صرف پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری

تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾

''اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ''۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر بیوی کی تعلیم کا ذمہ دار ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو اہل سنت کے عقائد کی تعلیم دے اور ہر اُس بدعت کو جو کہ اس کے دل میں اتر گئی ہو زائل کرے۔ اس کو وضو طہارت، غسل، حیض، نفاس، استحاضہ، نماز اور روزہ کے متعلق احکامات کی تعلیم دے۔ علم کے بغیر عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ پانی کے اوپر لکھنا۔ حضرت سہل تُستریؒ فرماتے ہیں:

''اللہ کی نافرمانیوں میں سب سے بڑی نافرمانی جہالت ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

اَدِّبُوْهُمْ وَعَلِّمُوْهُمْ ''اُن کو ادب سکھاؤ اور اُن کو تعلیم دو''۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ:

''تم اُن (اپنے اہل وعیال) کو اللہ کی اطاعت کا حکم دو اُن کو نافرمانی سے روکو اُن پر اللہ کا حکم قائم کرو اُن کو اللہ کا حکم سناؤ اور شریعت پر چلنے کے معاملے میں ان کی مدد کرو۔ جب تم کوئی نافرمانی دیکھو تو اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کرو''۔

اور اچھی بات تو یہ ہے کہ عورت کی دینی تعلیم میں اخلاقیات اور تاریخ کا بھی مطالعہ ہونا چاہیے۔ خاص طور پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حالاتِ زندگی کا، تاکہ وہ اپنی ذات کا تزکیہ کر سکے، اس کی عقل میں وسعت پیدا ہو اس کے اندر فضائل کی محبت اور مکارمِ اخلاق رچ بس جائیں، وہ اپنے خاوند کے ساتھ خوش ہو اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ خوش ہو اور اپنی زندگی کو خوشی خوشی گزارے۔

جہاں تک لکھنے پڑھنے، بعض ضروری علوم اور گھر کے کام کاج کی تعلیم کی بات ہے تو یہ عورت کی ابتدائی تربیت میں شامل ہونا چاہیے، تاکہ بعد میں عورت کو اس بنیادی تعلیم کے حصول پر ابھارنے اور شوق دلانے کی ضرورت نہ رہے۔

⑤ عورت کے رازوں کو فاش نہ کرنا

مَرد کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ اپنے اور بیوی کے مابین تعلقات کے بارے میں اپنے دوستوں کو آگاہ کرے۔ یہ عورت کی عزت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے اور اس کے

ساتھ وفا کا تقاضا بھی ہے کہ شوہر میاں بیوی کے مشترک معاملات کو نہ پھیلائے۔ اگر شوہر بیوی کی خفیہ باتوں کو افشا کرتا ہے تو یہ عہدِ زوجیت کے منافی ہوگا اور عورت کے ساتھ خیانت اور اسے تکلیف دینے کے مترادف ہوگا۔ اس طرح کی حرکات سے شوہر عورت کو اُس کے بلند مقام سے گرا دینے کا مرتکب ہوگا۔ ایسا رویہ اس کی بے مروّتی' بدمزاجی اور بداخلاقی کی دلیل ہوگا۔ بعدازاں یہی وعدہ خلافی میاں بیوی کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکنے اور ضد و ہٹ دھرمی (اور عدم اعتماد) میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

شریعت میں بھی اس قبیح فعل کی حرمت اور اس کے فاعل کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ امام مسلم اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ اِلٰى امْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ' ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) (۳۱)

''بے شک لوگوں میں بدترین آدمی اللہ کے ہاں قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے خواہش پوری کرتا ہے اور اس کی بیوی اس سے خواہش پوری کرتی ہے' پھر وہ اپنی بیوی کے راز کو افشا کر دیتا ہے۔''

⑥ عورت کے معاملے میں غیرت کھانا اور اُس میں اعتدال کی روش

عورت کے معاملے میں مَرد کا غیرت مند ہونا اس کی عظمت کی علامت ہے۔ خود دار اور باوقار لوگ ایسی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ مَرد کے دل میں غیرت کا جذبہ اس کی مَردانگی کی دلیل ہے۔ مَرد کی سب سے بڑی خامی اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے معاملے میں غیرت مند نہ ہو۔ اسی طرح مَرد کی سب سے اہم صفت جو کہ اس کی عزت وحمیت سے متعلق ہے' وہ عورت کے معاملے میں اس کا غیرت مند ہونا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھانا ہے۔

دین اسلام اس لیے آیا ہے کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کرے اور اخلاق کی تکمیل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس ذمہ داری کو اچھی طرح سے نبھایا جائے' تاکہ عورت ہر اُس چیز سے بچ سکے جو اُسے شک میں ڈال سکتی ہے۔ اسلام نے اجنبی مَرد و عورت کے اختلاط کو اس لیے منع کیا ہے تاکہ عورت کو تہمت اور شکوک وشبہات کا نشانہ بننے سے بچایا جا سکے۔ اسی طرح عورت کا بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور میک اپ وغیرہ کر کے خوشبو لگا کر چلنا

بھی حرام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''تم حیا کیوں نہیں کرتے؟ تم غیرت کیوں نہیں کھاتے؟ کیا تم اپنی عورت کو اجازت دیتے ہو کہ وہ گھر سے باہر نکلے اور مَرد اُس کو دیکھیں اور وہ مَردوں کو دیکھے؟''

حافظ سمعانی نے ''الانساب'' میں موسیٰ بن اسحاق الخطمی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بہت فصیح اللسان، متقی، ثقہ اور کثیر السماع قاضی تھے۔ ابوعبداللہ بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ موسیٰ بن اسحاق کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ وہ ''رَے'' کے قاضی تھے۔ ایک عورت اُن کے سامنے پیش ہوئی جس کے ولی نے اس کے شوہر پر پانچ سو درہم حق مہر کا دعویٰ کیا۔ شوہر نے اس دعویٰ کا انکار کر دیا۔ قاضی نے گواہی مانگی۔ ولی نے کہا میں اُن گواہوں کو حاضر کر دیتا ہوں۔ قاضی نے ایک گواہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بتائے کہ کیا یہ وہی عورت ہے جس کے بارے میں وہ گواہی دے رہا ہے۔ وہ گواہ کھڑا ہو گیا۔ عورت سے کہا گیا تو بھی کھڑی ہو جا۔ اُس وقت شوہر نے کہا تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ تو وکیل نے کہا یہ گواہ تمہاری بیوی کے چہرے کو دیکھے گا تا کہ وہ اس کو پہچان سکے۔ اِس پر شوہر نے اسی وقت کہا کہ میں قاضی کے سامنے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت کا اتنا حق مہر میرے ذمہ ہے' تم اس کے چہرے کو نہ کھولو۔ عورت کو واپس بھیج دیا گیا اور جو اُس کے شوہر نے کہا تھا اس کی خبر اسے دی گئی تو اس نے کہا: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس کو یہ حق مہر معاف کر دیا اور میں دنیا و آخرت میں اپنے اس حق سے دست بردار ہوتی ہوں''۔ تو قاضی نے کہا: ''یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے''۔ ان قاضی صاحب کی ولادت ۲۱۰ھ میں ہوئی اور انہوں نے اہواز میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

لیکن ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ایسی جگہ غیرت کا مظاہرہ کرے جہاں واقعتاً غیرت کی ضرورت ہو اور خواہ مخواہ ظن وتخمین سے کام نہ لے اور باطنی امور کو تجسس کے ذریعہ نہ کھولے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی مَرد رات کو اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس پر خواہ مخواہ تہمت اور الزام لگائے۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ ، فَاَمَّا الَّتِىْ يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِى الرِّيْبَةِ، وَاَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِىْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِىْ غَيْرِ

رِيبَةٍ))(۳۲)

''ایک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ایک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ پس جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ شکوک و شبہات کی جگہ غیرت کھانا ہے اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ شکوک و شبہات کے علاوہ غیرت کھانا ہے۔''

⑦ عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنا

اللہ تعالیٰ نے روزمرہ زندگی میں عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ (النساء:۱۹)

''اور اُن کے ساتھ معروف طریقے سے (حسن سلوک کے ساتھ) زندگی گزارو۔''

حسنِ خُلق تمام صفاتِ کمال کو شامل ہے اور جو کوئی حسنِ اخلاق کو اختیار کر لیتا ہے وہ سعادت اور خوش بختی کو پالیتا ہے اور سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنِ خلق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک گھروں کو آباد کرتے ہیں۔ مَرد کا عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ زبان کے استعمال میں لغزش سے بچ سکے گا۔ بہت سے جملے ایسے ہوتے ہیں جو کہ بات بڑھانے کا سبب بنتے ہیں اور اکثر اوقات زبان انسان کی آزمائش کا سبب بنتی ہے۔ اور بہت سارے سر زبان کی وجہ سے تن سے جدا ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی تعظیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مَردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ (النساء:۲۱)

''اور وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری وصیت میں تین باتوں کی تاکید فرمائی۔ اِن باتوں کی نصیحت کرتے ہوئے آپؐ کی زبان لڑکھڑانے لگی اور آپؐ کی آواز پست ہوگئی۔ آپؐ کہہ رہے تھے:

((اَلصَّلَاةَ! اَلصَّلَاةَ! اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ)) (۳۳)

''نماز، نماز! اور جو تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی غلام اور بیویاں) اُن کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ، فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ، وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ)) (۳۴)

''عورتوں کے بارے میں مجھ سے وصیت حاصل کرلو۔ بے شک عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اُس کو توڑ دو گے اور اگر اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، پس عورت کے بارے میں وصیت حاصل کرلو۔''

⑧ عورت کی بدمزاجی اور برے اخلاق کو برداشت کرنا

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی پر شفقت ورحم کرتے ہوئے اس کی غفلتوں سے چشم پوشی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے تشبیہہ دی ہے۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان:۱۵)

''اور اُن دونوں سے دنیا کے معاملہ میں بھلائی کرے۔''

اسی طرح بیویوں کے بارے میں حکم دیا کہ:

﴿وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء:۱۹)

''اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔''

عورت کے غصے کو برداشت کرنا اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاقِ عالیہ میں سے ہے۔ آپ ﷺ اپنی بعض بیویوں کی طرف سے پہنچنے والی زبانی اذیت کو برداشت کرتے تھے۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

مَا رَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَرْحَمَ بِالْعِیَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (۳۵)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لیے رحیم وشفیق کسی کو نہیں دیکھا۔''

میں تو کہتا ہوں کہ اگر عورت میں کچھ بُرے اخلاق ہوں جن کو خاوند ناپسند کرتا ہو تو اُس میں ایسے بہت سارے اچھے اخلاق بھی لازماً ہوں گے جن کو مرد پسند کرتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ اُن اچھے اخلاق کو دیکھے اور برائی کے بدلے میں اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اسی

بارے میں آپ ﷺ کا قول ہے:

((لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ آخَرَ)) (۳۶)

''کوئی مؤمن مَرد (اپنی) مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے۔ اگر وہ اس کی کسی عادت کو ناپسند کرتا ہے تو کسی دوسری عادت کو پسند بھی تو کرتا ہے۔''

⑨ بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق اور خوش طبعی کرنا

خوش طبعی سے عورتیں زندگی میں خوشگواری محسوس کرتی ہیں اور تروتازہ رہتی ہیں۔ گھر کے کام کاج میں چستی ونشاط پیدا کرنے میں بھی خوش طبعی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے ہنسی مذاق فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ بھی لگاتے۔ ایک دفعہ وہ آپ ﷺ سے آگے بڑھ گئیں' اور کبھی آپ ﷺ بھی اُن سے آگے بڑھ جاتے۔ آپ ﷺ نے اسی پر ایک دن فرمایا:

((هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ)) (۳۷)

''یہ (جیتنا) تمہارے اُس جیتنے کے بدلے میں ہے۔''

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا 'وَخِیَارُكُمْ خِیَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا)) (۳۸)

''اہل ایمان میں کامل ترین ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق بہترین ہیں' اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اخلاق کے معاملے میں بہتر ہیں۔''

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے ساتھ خوش طبعی میں اچھی نیت رکھے اور اس کے ساتھ خوش طبعی میں اس حد تک نہ نکل جائے کہ اس کے اخلاق کو بگاڑ دے اور اسے جری بنا دے۔ ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرنا قابل تعریف خصلت ہے۔ شوہر کے لیے لازم ہے کہ عورت کی موافقت ومخالفت میں حق بات کو ترک نہ کرے' کیونکہ زمین وآسمان اور ان میں موجود ہر شے کا قیام بھی عدل پر منحصر ہے۔

⑩ تعدّدِ ازواج کی صورت میں عدل سے کام لینا

جب کسی آدمی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اُس کے ذمہ ہے کہ ان کے درمیان

شریعت کے احکام کے مطابق عدل کرے۔ عجیب ترین بات یہ ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تعدّدِ ازدواج اسلام میں بغیر کسی شرط و نظام کے مباح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعدّدِ ازدواج مَردوں کے علاوہ عورتوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے' کیونکہ بعض اوقات جنگ کے حالات میں مَردوں کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے' عورتیں بوڑھی ہو جاتی ہیں اور انہیں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے کوئی مَرد میسر نہیں آتا۔ اسی طرح بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں' جبکہ شوہر کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے' بعض عورتیں ہم بستری کے لائق نہیں ہوتیں' یا اُن کو مختلف قسم کے پیچیدہ امراض ہوتے ہیں یا وہ جنسی افعال سے گھبراتی اور دور بھاگتی ہیں' جبکہ شوہر اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ایسے حالات میں دوسری شادی مَرد کے علاوہ عورت کے لیے بھی آسودگی کا باعث ہوتی ہے۔

اسلام نے تعدّدِ ازدواج کی اجازت دی ہے اور اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی مقرر کی ہیں جن سب کا مرکز و محور عدل ہے۔ ان شرائط کا مقصد عورت کو راحت پہنچانا یا اس سے تکلیف کو دور کرنا ہے۔

علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس شخص کو عورتوں کے درمیان تقسیم اور نشوز (عورت کا خاوند کی اطاعت نہ کرنا) کے احکامات معلوم نہ ہوں اس کے لیے تعدّدِ ازدواج حرام ہے۔ اور جو کوئی ان احکامات کا علم حاصل کیے بغیر ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے دنیا میں بھی عتاب کا شکار رہتا ہے اور آخرت میں بھی ظالموں میں سے اٹھایا جائے گا۔

شوہر پر لازم ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ کھانے پینے' کپڑوں' رہائش اور وقت کے معاملے میں احسان کی روش اختیار کرے۔ اُن سب کو ایک گھر میں اکٹھا کرنا ان کی رضامندی کے بغیر حرام ہے۔ اور جس کی باری ہو اُس کو چھوڑ کر بلاضرورت کسی دوسری بیوی کے پاس جانا بھی حرام ہے۔ جب کہیں سفر کے لیے نکلے تو اُن کے درمیان قرعہ اندازی کر لے اور ایک کو اپنے ساتھ لے لے۔ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اگر ایک رات کسی عورت کی حق تلفی کی ہو تو اُس کی قضا ادا کرے' کیونکہ اس کی قضا اس پر واجب ہے۔

آپ ﷺ کا قولِ مبارک ہے:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَاَتَانِ ' فَمَالَ اِلٰى اِحْدَاهُمَا ' جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ)) (۳۹)

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف زیادہ جھک جائے

تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔''

امام مسلمؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ ـــــ وَکِلْتَا یَدَیْہِ یَمِیْنٌ ـــــ الَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِہِمْ وَاَھْلِیْھِمْ وَمَا وَلُوْا)) (۴۰)

''بے شک اللہ کے نزدیک انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے' اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے فیصلوں میں' اہل وعیال کے بارے میں اور جن کے وہ نگران بنائے گئے ہوں اُن کے معاملے میں عدل سے کام لیتے ہیں۔''

صحیحین میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاشْتَدَّ بِہٖ وَجْعُہٗ اسْتَاْذَنَ اَزْوَاجَہٗ اَنْ یُمَرَّضَ فِیْ بَیْتِیْ فَاَذِنَّ لَہٗ (۴۱)

''جب (آخری ایام میں) رسول اللہ ﷺ کا جسم بیماری کی وجہ سے بوجھل ہوگیا اور آپ ﷺ کی تکلیف شدت اختیار کر گئی تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات ؓ سے میرے گھر میں بیماری کے ایام گزارنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی۔''

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً﴾ (النساء:۳)

''پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اُن کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو ایک (بیوی) ہی کافی ہے۔''

یہ آیت ان لوگوں کے ردّ کے لیے کافی ہے جو کہ مطلقاً تعددِ ازواج کو مباح سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ اگر تعددِ ازواج کی اجازت نہ ہوتی تو نہ جانے کتنی عورتیں ساری زندگی کے لیے گھر میں اکیلی بیٹھی رہتیں اور اُن کے شرعی نکاح کی نوبت نہ آتی۔ اس طرح اُن کی نسل کا سلسلہ بھی رک جاتا اور فتنہ وفساد کے ایسے دروازے ان کے لیے کھل جاتے جن میں معاشرے کا بگاڑ ہے۔ پس ایک ایسی اُمت جو کہ اپنی نسل کو بڑھانا چاہتی ہو اور اپنے مَردوں کی تعداد میں اضافہ چاہتی ہو' جو پاکیزگی وعفت کی علمبردار ہو اور رقص وسرود اور بے حیائی کے دروازوں کو بند کرنا چاہتی ہو' اس پر لازم ہے کہ تعددِ ازواج کی

تائید کرے اور اس کے فوائد کو لوگوں میں عام بیان کرے۔ جن لوگوں نے تعدّدِ ازدواج سے منع کیا انہوں نے عورتوں کے لیے زنا و بدکاری کے دروازے کھول دیئے' جس سے رقص و سرود اور بے حیائی کی محفلوں میں اضافہ ہوا' عورت اپنے آپ کو مطلق آزاد سمجھنے لگی' عورتوں میں آتشک اور سوزاک جیسے جنسی امراض پیدا ہونے لگے۔ ان کی تعداد کم ہوگئی' بے حیائی عام ہوگئی اور ان کی آئندہ آنے والی نسلیں بیمار پیدا ہونے لگیں۔ ان تمام تر برائیوں سے خلاصی کی ایک ہی صورت ہے' اور وہ یہ کہ تعدّدِ ازدواج سے متعلق اسلام کی منشا کی طرف رجوع کیا جائے۔

حواشی

۲۰) سنن الترمذی' کتاب الجهاد' باب ما جاء فی الامام (حدیث کا ابتدائی حصہ)۔ وصحیح ابن حبان' ح ٤٤٧٥

۲۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الزکاۃ' باب فی صلة الرحم۔ ومسند احمد' ح ٦٤٥٩۔

۲۲) سنن الترمذی' کتاب الرضاع' باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها۔ وسنن ابن ماجه' کتاب النکاح' باب حق المرأة علی الزوج۔

۲۳) حواله سابقه

۲٤) سنن ابی داوٗد' کتاب النکاح' باب فی حق المرأة علی زوجها۔

۲۵) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب من اجری امر الانصار..... وصحیح مسلم' کتاب الاقضیة' باب قضیة هند۔

۲٦) سنن ابی داوٗد' کتاب الاطعمة' باب فی الاجتماع علی الطعام۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الاطعمة' باب الاجتماع علی الطعام۔

۲۷) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب ما جاء ان الاعمال بالنیة..... وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین والزوج والاولاد۔

۲۸) صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب فضل النفقة علی العیال والمملوك۔

۲۹) مسند احمد' ح ١٤٠٣٢۔ وسنن الدارمی' کتاب الرقاق' باب فی اکل السحت

۳۰) صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب الجمعة فی القری والمدن۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضیلة الامام العادل.....

۳۱) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم افشاء سر المرأة۔

۳۲) سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی الخیلاء فی الحرب۔ وسنن النسائی، کتاب الزکاة، باب الاختیال فی الصدقة۔
۳۳) سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب هل اوصی رسول اللهﷺ۔وسنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی حق المملوك۔
۳٤) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریته۔ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء۔
۳۵) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذلك۔ ومسند احمد، ح ۱۱٦۹۲۔
۳٦) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء۔
۳۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی السبق علی الرجل۔
۳۸) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها۔ ومسند احمد، ح ۹۷۵٦۔
۳۹) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء۔ وسنن الدارمی، کتاب النکاح، باب فی العدل بین النساء۔
٤۰) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامام العادل .....وسنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب فضل الحاکم العادل فی حکمه۔
٤۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاته۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر من مرض وسفر۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص:20روپے اشاعت عام:12روپے

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کے اختتام پر

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز کا خطاب

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اَعُوْذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ ..... صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

عزیز طلبہ وطالبات!

سب سے پہلے تو میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس مکمل کر لیا ہے۔ اس سے آپ کو قرآن و حدیث اور عربی کا مزید علم حاصل ہوا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ آخرت میں آپ کے بہت کام آئے گا۔

اب میں آپ کو یاد کرانا چاہتا ہوں کہ اس کورس کے بعد آپ کا فرض کیا ہے۔ یہ کورس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۹۸۸ء میں شروع کرایا تھا اور اس کا مقصد دعوتِ رجوع الی القرآن ہے۔

آپ نے اس کورس میں دو حدیثیں پڑھی ہیں:

۱) بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً ۲) خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔

میں نے یہ کورس چیف انجینئر (ر) پاکستان ریلوے کے عہدے سے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۹۱ء میں کیا۔ اُس وقت یہ کورس قرآن کالج میں ہوتا تھا۔ کورس کرنے کے بعد میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ درسِ قرآن شروع کروں۔ شیطان نے دل میں فوراً وسوسہ ڈالا کہ تم کون سے عالم ہو، یہ ذمہ داری نہیں نبھا سکو گے، تو یہ حدیث میرے ذہن میں آئی ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً))

دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ درس قرآن کہاں شروع کیا جائے؟ آپ کسی مسجد میں جا کر درسِ قرآن شروع نہیں کر سکتے۔ وہاں آپ کو آسانی سے درس کی اجازت نہیں ملے گی۔ میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ ہمارے خاندان کی لاہور میں سات فیملیز رہتی ہیں۔ ہر چھٹی والے دن یعنی اتوار کو عصر سے مغرب تک درسِ قرآن باری باری گھروں میں ہوتا تھا جس میں پوری فیملیز شامل ہوتی تھیں۔ اس میں میں نے منتخب نصاب بیان کیا۔ کوئی دو سال کے عرصہ میں یہ مکمل ہوا۔ درس کے بعد refreshments بھی ہوتی تھیں۔

اس کے بعد مجھے قرآن اکیڈمی کی مسجد میں ہر اتوار کو صبح کی نماز کے بعد درس دینے کی اجازت دی گئی اور یہ کہا گیا کہ تیسویں پارہ کی آخری سورت سے درس شروع کروں' کیونکہ یہ چھوٹی سورتیں نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے اب اٹھائیسویں پارہ کی سورۃ الحشر کا آخری رکوع زیر درس ہے۔

اس کورس سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۹۱ء کے آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے میری ڈیوٹی لگائی کہ میں قرآن اکیڈمی میں شعبہ خط و کتابت کورسز کے ناظم کی ذمہ داری سنبھالوں۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک میں اعزازی طور پر خدمت قرآن کی یہ ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہوں۔ الحمدللہ اب اس بات کو ۱۴ سال مکمل ہو گئے ہیں۔

شعبہ خط و کتابت کورسز

شعبہ خط و کتابت کورسز میں ہم تین کورسز بذریعہ خط و کتابت کراتے ہیں۔

i) ترجمہ قرآن کریم کورس۔ یہ کورس فروری ۱۹۹۶ء سے جاری ہے۔ اس وقت طلبہ و طالبات کی تعداد ۱۴۲۳ ہے۔

ii) ابتدائی عربی گرامر کورس (I,II,III) : یہ کورس تین حصوں پر مشتمل ہے۔ تینوں حصوں کا آغاز بالترتیب نومبر ۱۹۹۰' اکتوبر ۱۹۹۲ء اور مارچ ۱۹۹۷ء سے ہو چکا ہے اور ان کورسز میں طلبہ/طالبات کی تعداد بالترتیب ۲۵۸۰' ۱۳۳۸ اور ۱۵۹ تک پہنچ چکی ہے۔

iii) قرآن مجید کی فکری و عملی راہنمائی کورس: اس کورس کا آغاز ۱۹۸۸ء سے ہوا تھا۔ اس کورس میں طلبہ/طالبات کی تعداد ۳۶۳۸ تک پہنچ چکی ہے۔

اب آپ یہاں سے جانے کے بعد اپنے گھروں اور اپنے شہروں میں دعوت رجوع الی القرآن کو آگے بڑھائیں۔ ان میں سے جس کورس کو مناسب سمجھیں اس کا بیان شروع کر

دیں۔اس سلسلہ میں اگر آپ کو کوئی مشکلات پیش آئیں تو "where there is a will there is a way" کے مصداق کوشش کر کے کامیابی حاصل کریں۔

اس سلسلہ میں مَیں یہ کہنا چاہوں گا اگر آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کریں۔ میرا آفس قرآن اکیڈمی لاہور میں ہے' جہاں ٹیلی فون بھی ہے اور فیکس بھی ہے۔اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیں' اللہ آپ کا مددگار ہو!

اِن کورسز کے جو پراسپیکٹس آپ کو دیے گئے ہیں ان کے فوٹو سٹیٹس کرائے جا سکتے ہیں۔انہیں اپنے گھر کے بچوں اور طلبہ و طالبات میں تقسیم کر کے انہیں ترجمہ قرآن اور ان کورسز سے آگاہ کریں اور کورس شروع کرائیں۔منتخب نصاب کا کورس بڑوں کو اور طلبہ و طالبات کو پڑھائیں۔

آپ کو انجمن خدام القرآن اور دعوت رجوع الی القرآن سے intouch رکھنے کے لیے رسالے حکمت قرآن / میثاق بھیجے جائیں گے۔حال ہی میں انجمن خدام القرآن نے خبرنامہ بھی جاری کیا ہے۔یہ بھی آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا تاکہ آپ ان کورسز اور انجمن کے پروگرامز سے آگاہ رہیں۔اگر آپ اپنے کورسوں کے بارے میں گاہے بگاہے آگاہ کرتے رہیں گے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

پروگرام زیر غور ہے کہ درس دینے والے حضرات کی سال میں ایک دفعہ Re-union منائی جایا کرے۔اس سلسلے میں ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

انوار الحق چوہدری
ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی' لاہور

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : حدیث کی اہمیت وضرورت

مصنف : خلیل الرحمٰن چشتی

ضخامت : 248 صفحات ۔ قیمت: 100 روپے

ملنے کا پتہ: ☆الفوز اکیڈمی' E-11/4 اسلام آباد

☆ادارہ منشورات اسلامی' بالمقابل منصورہ' ملتان روڈ لاہور

محترم خلیل الرحمٰن چشتی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ خلوص اور اخلاص کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اُن کی فکر ونظر کسی خاص مسلک تک محدود نہیں۔ وہ دین اسلام کی وہ صورت پیش کرتے ہیں جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ ان کی بڑی خواہش ہے کہ ہر مسلمان عربی زبان سیکھے' تاکہ وہ براہِ راست قرآن وحدیث کے مطالعہ سے صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف ہو سکے۔ اس سلسلہ میں اُن کی کتاب ''قواعد زبان قرآن'' حصہ اول ودوم انتہائی مفید ہے جس سے شائقین بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خلیل الرحمٰن چشتی الفوز اکیڈمی اسلام آباد کے روحِ رواں ہیں جہاں عام لوگوں کے لیے دین فہمی کے شارٹ کورسز کا اہتمام کیا جاتا ہے اور نہایت مؤثر انداز میں قرآن وحدیث پر مبنی اسلامی تعلیمات کی تفہیم وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''حدیث کی اہمیت وضرورت'' بڑی وقیع اور مفید کتاب ہے۔ علم الحدیث کے بارے میں ابتدائی معلومات نہایت دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب عنوان کی تشریح میں جامعیت کا حامل ہے۔ یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت ہے' کیونکہ اکثر لوگوں کو صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز نہیں اور جن الفاظ کو قولِ رسولؐ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے وہ نادانی سے اسے قول رسولؐ ہی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ نادانی چاہے خلوص پر مبنی ہو لیکن کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی' کیونکہ جھوٹی حدیث بیان کرنا ایسا جرم ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے بارے میں صحت مند معلومات حاصل کرنے کے لیے ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو اِس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں لکھی گئی اور اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس پانچویں ایڈیشن میں دو ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک کا عنوان ''تاریخِ روایتِ حدیث'' ہے جبکہ دوسرے باب میں منکرین حدیث کے اعتراضات کے مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ اب یہ کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور جامع معلومات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ بھی معیاری ہے۔

(۲)

نام کتاب : جمالِ محمد ﷺ کا دلربا منظر

مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 208 صفحات ۔ قیمت:120 روپے

ناشر: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' نوشہرہ

ملنے کا پتہ: مولانا سید محمد حقانی' مدرس جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد نوشہرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب طرز ادیب اور معروف عالمِ دین ہیں۔ ان کا اپنا ایک شگفتہ اور ہلکا پھلکا اندازِ تحریر ہے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے دلنشین اندازِ بیان نے ان کی کتابوں کو قبولِ عام کا درجہ دیا ہے۔ ''جمال محمد ﷺ'' ان کی تازہ تصنیف ہے جو اُن کی کتابوں میں خوبصورت اضافہ ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' اس کتاب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال' عظمت و رفعت' فضل و کمال اور شمائل و خصائل کا ذکر ہے۔ اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں اور لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں' مگر پھر بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اس کتاب کا پہلا باب ''فی خلق رسول اللہ ﷺ'' ہے۔ اس باب میں آپؐ کے حسن و جمال کی خوبیوں کا بیان ہے۔ گویا ع ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کے مصداق آپؐ کی ہر ادا حسین و جمال تھی۔ آپؐ کا قد موزوں' رفتار عزم و وقار کی مظہر' چہرہ نورانی' آنکھیں روشن اور پیشانی کشادہ تھی۔ دوسرے باب کا عنوان ''ختم نبوت'' ہے جس میں مہر نبوت اور اس کے متعلق تفصیلات کے علاوہ اس سلسلہ میں مختلف روایات کی توضیح و تشریح پیش کی گئی ہے۔

غرض کتاب کا مطالعہ قاری کے حسن عقیدت میں اضافے کا باعث اور حصولِ برکت کا سبب ہوگا۔ کتاب کی جلد مضبوط اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔ ○○

the privilege we'd given up.
And so only now—given the choice—women in the West are choosing to stay home to raise their children. According to the United States Department of Agriculture, only 31 percent of mothers with babies, and 18 percent of mothers with two or more children, are working full-time. And of those working mothers, a survey conducted by Parenting Magazine in 2000, found that 93% of them say they would rather be home with their kids, but are compelled to work due to 'financial obligations'. These 'obligations' are imposed on women by the gender sameness of the modern West, and removed from women by the gender distinctiveness of Islam.
It took women in the West almost a century of experimentation to realize a privilege given to Muslim women 1400 years ago.
Given my privilege as a woman, I only degrade myself by trying to be something I'm not--and in all honesty--don't want to be: a man. As women, we will never reach true liberation until we stop trying to mimic men, and value the beauty in our own God-given distinctiveness.
If given a choice between stoic justice and compassion, I choose compassion. And if given a choice between worldly leadership and heaven at my feet—I choose heaven.

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات قرآنی ۱۹۹۱ء میں دیئے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب : مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

﴿اہم موضوعات﴾

■ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ■ ایمان کا موضوع
■ قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث
■ ایمان و عمل کا باہمی تعلق ■ ایمان اور نفاق ■ ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 90 روپے اشاعت عام: 50 روپے

On the other hand, only a woman can be a mother. And God has given special privilege to a mother. The Prophet taught us that heaven lies at the feet of mothers. But no matter what a man does he can never be a mother. So why is that not unfair?
When asked who is most deserving of our kind treatment? The Prophet replied 'your mother' three times before saying 'your father' only once. Isn't that sexist? No matter what a man does he will never be able to have the status of a mother.
And yet even when God honors us with something uniquely feminine, we are too busy trying to find our worth in reference to men, to value it—or even notice. We too have accepted men as the standard; so anything uniquely feminine is, by definition, inferior. Being sensitive is an insult, becoming a mother—a degradation. In the battle between stoic rationality (considered masculine) and self-less compassion (considered feminine), rationality reigns supreme.
As soon as we accept that everything a man has and does is better, all that follows is just a knee jerk reaction: if men have it—we want it too. If men pray in the front rows, we assume this is better, so we want to pray in the front rows too. If men lead prayer, we assume the imam is closer to God, so we want to lead prayer too. Somewhere along the line we've accepted the notion that having a position of worldly leadership is some indication of one's position with God.
A Muslim woman does not need to degrade herself in this way. She has God as a standard. She has God to give her value; she doesn't need a man.
In fact, in our crusade to follow men, we, as women, never even stopped to examine the possibility that what we have is better for us. In some cases we even gave up what was higher only to be like men.
Fifty years ago, society told us that men were superior because they left the home to work in factories. We were mothers. And yet, we were told that it was women's liberation to abandon the raising of another human being in order to work on a machine. We accepted that working in a factory was superior to raising the foundation of society—just because a man did it.
Then after working, we were expected to be superhuman—the perfect mother, the perfect wife, the perfect homemaker—and have the perfect career. And while there is nothing wrong, by definition, with a woman having a career, we soon came to realize what we had sacrificed by blindly mimicking men. We watched as our children became strangers and soon recognized

VIEW POINT

A Woman's Reflection on Leading Prayer

By Yasmin Mogahed

"Given my privilege as a woman, I only degrade myself by trying to be something I'm not--and in all honesty--don't want to be: a man. As women, we will never reach true liberation until we stop trying to mimic men, and value the beauty in our own God-given distinctiveness."

On March 18, 2005 Amina Wadud led the first female-led Jumuah (Friday) prayer. On that day women took a huge step towards being more like men. But, did we come closer to actualizing our God-given liberation?

I don't think so.

What we so often forget is that God has honored the woman by giving her value in relation to God—not in relation to men. But as western feminism erases God from the scene, there is no standard left—but men. As a result the western feminist is forced to find her value in relation to a man. And in so doing she has accepted a faulty assumption. She has accepted that man is the standard, and thus a woman can never be a full human being until she becomes just like a man—the standard.

When a man cut his hair short, she wanted to cut her hair short. When a man joined the army, she wanted to join the army. She wanted these things for no other reason than because the "standard" had it.

What she didn't recognize was that God dignifies both men and women in their distinctiveness--not their sameness. And on March 18, Muslim women made the very same mistake.

For 1400 years there has been a consensus of the scholars that men are to lead prayer. As a Muslim woman, why does this matter? The one who leads prayer is not spiritually superior in any way. Something is not better just because a man does it. And leading prayer is not better, just because it's leading. Had it been the role of women or had it been more divine, why wouldn't the Prophet have asked Ayesha or Khadija, or Fatima—the greatest women of all time—to lead? These women were promised heaven—and yet they never lead prayer.

But now for the first time in 1400 years, we look at a man leading prayer and we think, "That's not fair." We think so although God has given no special privilege to the one who leads. The imam is no higher in the eyes of God than the one who prays behind.

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** حفظہ اللہ

کے دروس وتقاریر پر مشتمل CD (آڈیو MP3)

بعنوان:

اسلام اور خواتین

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں

قرآن وسنت کی راہنمائی میں **16** تقاریر شامل ہیں

﴿اہم موضوعات﴾

- خواتین اور سماجی رسومات
- خواتین کی دینی ذمہ داریاں
- شادی بیاہ کی رسومات
- اسلام میں عورت کا مقام
- مثالی مسلمان خاتون
- جہاد میں خواتین کا کردار
- اسلام میں شرائط حجاب کے احکام
- قرآن اور پردہ

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-5869501